OCTOBER 2022

ربیع الاول ۱۴۴۴ھ

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور



جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۸ شمارہ نمبر ٦

ربیع الاول ۱۴۴۴ھ اکتوبر ۲۰۲۲ء

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری
- مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام مجاہد

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب ناظم جامعہ

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

زر تعاون

فی شمارہ ۳۰/روپے

سالانہ زر تعاون ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

عشقِ نبوی کا تقاضا

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا ہے اس مہینہ میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، گویا انسانیت کی سوکھی کھیتی کے لیے ابر باراں میسر آ گیا۔ آپ کی ولادت باسعادت انسانیت کے لیے عظیم دولت ونعمت اور اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام واحسان ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْهُمْ (القرآن)

چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں عالم انسانیت کی فضاء روحانی میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا مولانا ابوالکلام آزادؒ نے لکھا کہ

> ”آپ کی ولادت باسعادت گویا رحمت الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی، جس کے فیضان عام نے تمام کائنات کو سرسبزی وشادابی کی بشارت سنائی، اور زمین کی خشک سالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، آپ کی ولادت باسعادت ہدایت الٰہی کی تکمیل تھی، شریعت ربانی کے ارتقاء کا آخری مرتبہ تھا یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا، یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی“

اس لیے کہ سارے عالم کے لیے رحمت ورافت کا مجسم پیکر بن کر ہادیٔ عالم، داعیٔ اعظم، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

عشق رسول اور محبت رسول کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ کچھ ایام خاص کر کے کچھ رسومات ادا کر لی جائیں اور لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک ہنگامہ سا کر دیا جائے بلکہ عشق رسول کا حقیقی تقاضا تو یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی سیرت نبی کا عملی نمونہ بن جائے، مسلمانوں کی معاشرت اور طرز زندگی میں اسلامی انداز آ جائے، لباس، انداز نشست و برخاست اور معاملات ہر ہر چیز پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نقش گہرا ہوتا جائے، اگر ایسا نہیں ہے تو ہم عشق رسول کے دعوی میں جھوٹے ہیں۔

اس ماہ کی مبارک بدعات سے بچنا چاہئے اور اسلامی مزاج و مذاق کی پوری رعایت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے اسی وقت عشق رسول کا ہمارا دعویٰ سچا اور مبنی بر حقیقت ہوگا ورنہ خشکی پر کشتی چلانے کی بے سود

کوشش کے مترادف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عشق رسول کی حقیقی دولت ونعمت سے سرفراز فرمائے آمین

یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

آج دلوں کو فتح کرنے کی ضرورت ہے

تاریخ کے اولین دور سے یہ مسلمہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کے احکام وقوانین جو کہ عین فطرت انسانی کے مطابق وموافق ہیں ان کی مخالفت، اور بڑے زور وشور کے ساتھ ان کا رد کیا جاتا رہا ہے، اس کے لئے وہ تمام تر وسائل اور ذرائع استعمال میں لائے جاتے رہے ہیں جو امکان میں ہیں، دنیا میں انسان کی فطری تعلیمات کو اجاگر کرنے والے ادارے مدارس اسلامیہ ہیں اس لئے موجودہ دور میں پوری دنیا میں سب سے زیادہ دشمنان اسلام کی نگاہ انھیں مدارس اور اسلامی جامعات پر ہیں اور ان کے کردار اور ان کے تشخص کو برباد کرنے پر پوری غیر اسلامی جماعت تلی ہوئی ہے۔

ہندوستان جہاں اسلام کا تشخص اور امتیاز اور اسلامی تعلیمات اپنی اصل روح کے ساتھ دوسرے ممالک اسلامیہ سے زیادہ پائی جاتی ہے اب اس ملک کے مدارس اور دینی ادارے بھی دشمنان اسلام کے نشانے پر ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اور مدارس کے پروردہ افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے چھڑایا اس کے بعد سے مسلسل مسلمانان ہند کے ساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے، اوران کے دینی اداروں، مدارس اسلامیہ کو مختلف انداز سے نشانہ بنایا جارہا ہے۔

جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حکمرانوں نے صرف مسلم دشمنی میں ہمارا پورا معاشرتی نظام الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا، دینی مدارس ختم کردیئے تھے، نظام تعلیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا تب علماء کرام نے قرآن وسنت کی تعلیم کو باقی رکھنے کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور اسلامی ثقافت اور تہذیب کے تحفظ کا وعدہ کیا تھا۔ الحمدللہ اپنے اس مشن میں بڑی حد تک وہ کامیاب بھی رہے۔

اس وقت سے اب تک دینی مدارس پورے برصغیر میں اسلامی اساس کو نہایت مضبوط اور پائیدار بنائے ہوئے ہیں ان کی تاریخ اور بے غبار کردار میں کبھی بھی کسی منفی نوعیت کی سرگرمی نہیں ملتی ہے بلکہ

دین اسلام کا فروغ، ملک وملت کی تعمیر اور معاشرتی اصلاح کے کارنامے ہی سامنے آتے ہیں۔اس کے باوجود مدارس اسلامیہ کو ہدف ملامت بنانے کی کوششوں کا ایک طویل سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

برصغیر کے یہ مدارس عوام کے لگائے ہوئے وہ پودے ہیں جو اہل عزیمت کی قربانیوں اور عوام کا تعاون پا کر تناور درخت بنے ہیں ان مدارس کا جب آغاز ہوا تھا تب ہر گلی ہر محلہ سے ایک ایک ٹکڑا جمع کر کے یہاں کے طلبہ کی خوراک مہیا کی جاتی تھی اساتذہ کرام بقدر کفاف روزی پر قناعت کر کے خلوص و للّٰہیت کی جلوہ گاہیں سجائے ہوئے تھے۔عوام الناس کا تعاون روزانہ بڑھتا رہا اور پورے برصغیر ہندو پاک میں مدارس اسلامیہ کا ایک مضبوط اور مستحکم نظام بن گیا، گویا کہ مدارس اسلامیہ ملک وملت کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے ایک عظیم الشان نعمت ہیں، اس کی قدر اور ان کے تئیں منت شناسی کا جذبہ ملک وملت کا اخلاقی فریضہ ہے،اس کی قدردانی یہی ہے کہ امت کے افراد اس سے زیادہ سے زیادہ قرب پیدا کریں، ملک کے صاحبانِ اقتدار ان کے جذبہ حب الوطنی کو سراہیں، ملک کی تعمیر وترقی میں ان کی عظیم خدمات کا اعتراف کریں، اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو یہ اس عظیم نعمت کی ناقدری اور ملک ووطن کی پُرامن فضا کو باقی نہ رکھنے اور اس ملک کی ترقی کی رفتار کو روکنے کے مترادف ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ دشمنان اسلام بھر پور وار کررہے ہیں اور یہ سب کچھ مخالفین حق کی فطرت خبیثہ کا حصہ ہے جو اپنا کردار ادا کررہے ہیں، ان کو یہی کرنا تھا، یہی ظلمت کا مزاج ہے مگر اسی کے ساتھ ہم کو بھی اپنا احتساب کرنے اور اپنے حالات کو بدلنے کی ضرورت ہے، آج ہم لوگ اسلامی اخلاق کا وہ عملی نمونہ پیش نہیں کرتے جو دلوں کو فتح کرلے، جو نفرتوں کو بدل دے، ہم کتابوں کی باتیں سناتے ہیں مگر اپنی ہی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہیں، تو محض اقتباسات پیش کرنے اور حوالے دینے سے رائے عامہ کو مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ کے حق میں نہیں بنا سکتے، ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کی حیات آفریں تعلیمات ہیں جو ایک مسلمان کا حقیقی تعارف کراتی ہیں تو دوسری طرف ہماری بے عملی اور خود فراموشی بھی دنیا کے سامنے ہے، حالانکہ وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان اسلامی رواداری، جذبہ خیر خواہی، صفائی معاملات جیسی صفات کا عملی ثبوت دیں اور برادرانِ وطن کو یہ باور کرائیں کہ کس طرح مسلمان قتل وغارت گری سے متنفر اور امن وسلامتی کا پیکر ہوتا ہے، مسلمان کس طرح احسان اور انسانیت پر کاربند ہے کہ اپنے پڑوسی کو خواہ، نصرانی ہو یا ہندو، سکھ ہو یا عیسائی یا کسی بھی مذہب وملت کا

ماننے والا کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، ہم کو عملاً دکھانا ہے کہ مسلمان خواہ کیسا ہو ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، دہشت گردی، انتہا پسندی کی مذمت کرتا ہے، ظلم کا بدلہ احسان سے دیتا ہے، دشمنوں کو معاف کردیتا ہے، ذاتی عداوت ونفرت اس کو عدل وانصاف سے باز نہیں رکھتی، حق وانصاف قائم کرنے میں اپنوں وغیروں میں فرق نہیں کرتا، خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا، ایثار کرنا، خدمت خلق کرنا، اس کی طبیعت ومزاج میں داخل ہے۔

اس لئے آج کے نفرت زدہ ماحول میں مسلمانوں کو اپنے عمل و کردار سے دلوں کو فتح کرنے کی ضرورت ہے، یہ وقتی آندھیاں اور طوفان تو خود بخود دور ہوتے جائیں گے۔

اس لئے کہ جب خدائی اصولوں پر بندۂ خدا کاربند اور عمل پیرا ہوجاتا ہے، اسلام کے تقاضوں کے مطابق اپنی شاہراہ حیات کو استوار کرتا ہے، نبی برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کی سیرت کے سانچے میں اپنے کو ڈھال لیتا ہے تو اللہ تعالی کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور خدائے پاک کا ارشاد عالی ہے:

اِنْ یَنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں ہوسکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کرسکے تمہاری اس کے بعد، اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو۔

لہٰذا اپنے تمام معاملات میں بندۂ مومن کو اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، مصیبتوں کی سخت آندھی ہو یا عیش وآرام کی پُرکیف بادِ بہاری، مسلسل یہ احساس ہونا چاہئے کہ تمام قدرتوں اور طاقتوں کا جامع وہی ہے اگر اس کی مدد اور نصرت کو متوجہ کرلیا گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کرسکتی۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ اللہ کی مدد ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہے جو کہ کردار وعمل کے کھرے اور نیکوکار ہوں۔

اگر ہم کردار وعمل کی کسوٹی پر کھرے ثابت ہوجائیں، خدائے معز ومذل کے حوالے خود کو کردیں، اسلامی تعلیمات کو حرزِ جان بنالیں، مومنین کاملین کے اوصاف پیدا کرلیں تو پھر علوئے شان اور رحمت ونصرتِ خداوندی ہمارے قدم چومے گی۔

درسِ قرآن

منصب نبوت

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر، مظاہر علوم سہارنپور

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولاً مِنۡهُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡهِمۡ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيهِمۡ إِنَّكَ أَنۡتَ الۡعَزِيزُ الۡحَكِيمُ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! ان میں (یعنی بیت اللہ کے باشندوں میں) ایک عظیم رسول بھی بھیجئے جوانھیں میں سے ہو، جوانھیں آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے، اورانھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اوران کو پاکیزہ بنائے، بے شک آپ غلبہ والے ہیں اور حکمت والے ہیں۔

تشریح وتوضیح:

اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اہم دعا، عظیم رسول مبعوث فرمانے کی مذکور ہے اور بعثتِ رسول کے دو عظیم مقصد بھی بیان کیے گئے ہیں، پہلا مقصد تحلیہ ہے (کمالات سے آراستہ، پیراستہ ومزین کرنا) جس کی تین صورتیں، تین جملوں يَتۡلُوا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ، وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ، وَالۡحِكۡمَةَ میں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرا مقصد تخلیہ ہے یعنی عقائد باطلہ، اعمال سیئہ واخلاق رذیلہ سے بچانا. یہ صورت ویزکیھم میں مذکور ہے، کل چار صورتیں:

۱۔ مبلغ اعظم ۲۔ معلم اعظم ۳۔ مرشد اعظم
۴۔ مصلح اعظم۔

رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہے یعنی رسول کا پہلا کام، اللہ کے کلام کی تبلیغ ہے، یقرأ علیھم ویبلغھم ما یوحی إلیه من دلائل وحدانیتك وصدق أنبیائك۔ تبلیغ کو یتلوا علیھم آیاتک میں بیان کیا ہے۔

رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہے، رسول کا کام محض تبلیغ اور صرف پیام رسانی پر ختم نہیں

ہوجاتا بلکہ تبلیغ کے بعد دوسرا مرحلہ تعلیم کا ہے، اور تعلیم میں الفاظ کی تعلیم، ترجمانی، تشریح، سب کچھ داخل ہے، اس حیثیت کو ویعلمھم الکتاب میں بیان کیا ہے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْمُرَادُ أَنَّهُ يَأْمُرُهُمْ بِتِلَاوَةِالْكِتَابِ وَيُعَلِّمُهُمْ مَعَانِيَ الْكِتَابِ وَحَقَائِقَهُ،

رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہے: کہ تعلیم وتشریح کے ساتھ ساتھ احکام ومسائل، دین کے قاعدے، آداب، دانائی وحکمت کی باتیں، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے، اس کو الحکمۃ میں بیان فرمایا، عبارت دراصل ویعلمھم الحکمۃ ہے۔ مفسرؒ نے صرف احکام مراد لئے ہیں۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ أَيْ يُعَلِّمُهُمْ مَا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ. وَالْحِكْمَةَ أَرَادَ بِهَا أَنَّهُ يُعَلِّمُهُمْ حِكْمَةَ تِلْكَ الشَّرَائِعِ وَمَا فِيهَا مِنْ وُجُوهِ الْمَصَالِحِ وَالْمَنَافِعِ،

رسول کی چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہے، رسول کا کام محض تعلیمِ الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ اعمال صالحہ کی تربیت دیں گے، اخلاق کی پاکیزگی، نیتوں کے اخلاص کے فرائض بھی انجام دیں گے اور اپنے فیضِ صحبت سے مستفیدین کو مخلص بھی بنائیں گے، اس کا نام تصوف کی اصطلاح میں تزکیہ ہے، اس کو ویزکیھم میں بیان فرمایا ہے۔ (مستفاد تفسیر ماجدی ۱/۲۵۱)

جیسا کہ معلوم ہوا کہ رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہے یعنی رسولؐ کا پہلا کام، اللہ کے کلام کی تبلیغ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری کو باحسن وجوہ انجام دیا، موافق مخالف، دوست دشمن، یگانے وبیگانے، اپنے اور پرائے، مالک ومملوک، حاکم ومحکوم، امیر وغریب، ہر فرد بشر بلکہ جنات تک کو دعوت دی، پیش آنیوالی تمام دشواریوں کو انگیز کیا، اور دعوت کو اپنی ضرورت اور اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے اہلِ عرب کے اس رسم ورواج کو بھی استعمال کیا، کہ ضرورت مند کسی بلند سطح پر کھڑا ہو کر یاصباحاہ، یاصباحاہ پکارتا تو اس کی آواز پر سب لبیک کہتے، اگر بمجبوری کوئی نہ آپاتا تو اپنا نمائندہ بھیجتا، صفا کی چوٹیاں اس کی گواہ ہیں، مکہ کی نشیب وفراز والی راہیں، سنگلاخ زمینیں، نوکیلے پتھر، طائف کی فضائیں، بدر کی ہوائیں، احد کی پہاڑیاں، تبوک کی گھاٹیاں سبھی شاہد ہیں۔ اور چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ آپ اس فریضہ سے الحمدللہ بخوبی عہدہ برآ ہوئے اور لاکھوں انسانوں کے مجمع میں بہانگ دہل فرمایا: الا ھل بلغت؟

آپ کی مبارک زندگی سے دعوت کے چند بنیادی اصول مستفاد ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے

طریقِ دعوت سہل اور پرتاثیر بن جاتا ہے۔

۱۔ ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لب ولہجہ میں نرمی ہو۔فرعون جیسے سرکش آدمی جس نے الوھیت وخدائیت کا دعویٰ کررکھا تھا اس کے پاس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا ان کو بھی یہ ہدایت فرمائی کہ نرمی کے ساتھ بات کرنا، **فقو لا له قو لا لينا لعله يتذ كر او يخشى۔**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہ اسلوب نمایاں طور پر پایا جاتا ہے،حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجیے! لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اُسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے،لیکن نبی ﷺ نے اسے فرمایا: میرے قریب آجاؤ! وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری والدہ کے ساتھ بدکاری کرے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں! نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر دریافت فرمایا: کیا تمیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ بدکاری کرے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں! نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ بدکاری کرے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں! نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری پھوپھی کے ساتھ بدکاری کرے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں! نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری خالہ کے ساتھ بدکاری کرے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں! نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لیے پسند نہیں کرتے۔

پھر نبی ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی: اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما! راوی کہتے ہیں: اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ، وَقَالُوا: مَهْ. مَهْ. فَقَالَ: ادْنُهْ، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا. قَالَ: فَجَلَسَ

،قَالَ:أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟ قَالَ :لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ:وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ. قَالَ:أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟ قَالَ:لَا. وَاللهِ يَارَسُولَ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ ،قَالَ:وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ ، قَالَ:أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ؟ قَالَ:لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ:وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ ، قَالَ:أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟ قَالَ:لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ:وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ . قَالَ:أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟ قَالَ:لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ:وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ. قَالَ :فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ. فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ. رواه أحمد، رقم الحديث: ۲۲۲۱۱۔

اتنے بڑے گناہ کے ارادہ پر آپ نے نہ اسے دور دفع کیا، نہ ڈانٹا ڈپٹا، نہ برا بھلا کہا، بلکہ کتنی نرمی وشفقت سے اسے سمجھایا، آپ کی دعا، نرمی وشفقت کا نتیجہ یہ رہا کہ مدعو کو زندگی بھر زنا کا خیال تک نہ آیا، سبحان اللہ۔

۲— دعوت کا دوسرا طریقہ: مخاطب کی ذھنی ونفسیاتی سطح کا لحاظ کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کا لحاظ فرمایا ہے کہ مخاطب جس ذہن اور جس سطح کا ہو اسی کی سطح سے بات کی، اور مخاطب نے جس انداز میں بات سمجھنا چاہی حضورؐ نے اسی انداز میں بات سمجھائی۔

ایک دفعہ رسول اللہؐ مکہ مکرمہ میں اپنے چچا ابو طالب کے پاس بیٹھے تھے، عرب کے بڑے بڑے سرداروں پر مشتمل ایک وفد آیا، جن میں ابو جہل بھی تھا۔ حضورؐ نے ان کو دعوت دی، ایک اللہ کی طرف بلایا اور بت پرستی وغیرہ سے منع کیا، اس پر سب اعتراض کرنے کرنے لگے، شکایات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ابو جہل نے حضورؐ سے پوچھا بھتیجے! یہ تو بتاؤ! تم جو باتیں کہہ رہے ہو، اگر ہم یہ باتیں مان لیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ حضورؐ جانتے تھے کہ کہ یہ جاہ واقتدار کا طالب ہے، تو اسی پیرایہ میں رسول اللہؐ نے جواب دیا: کہ جو کلمہ میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اگر آپ لوگ اس کلمہ کو قبول کرلیں تو عرب پر بھی تمہاری حکومت قائم ہوگی اور عجم بھی تمہارے قبضے میں ہوگا۔

اور مدینہ منورہ میں حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ نے پوچھا حضور! ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے، ثابتؓ دنیا کے نہیں آخرت ونعمائے جنت کے طالب ہیں اس

لئے آپؐ نے فرمایا، جنت ملے گی۔ ثابتؓ نے کہا، ہم راضی ہیں۔ ابوجہل نے نتیجہ پوچھا تو جواب دیا کہ اس کے بدلے میں حکومت ملے گی، ثابت بن قیسؓ نے نتیجہ دریافت کیا تو فرمایا : کہ جنت ملے گی۔ تو حضورؐ نے ہر مخاطب کی نفسیات کے مطابق اسے جواب دیا۔

اسی طرح ہر آدمی اپنے فن اور اپنے پیشے کی زبان سمجھتا ہے، حضرت رکانہؓ پہلوان تھے، دلیل اور منطق کی زبان نہیں سمجھتے تھے، پہلوان تو کشتی کی زبان ہی سمجھتا ہے وہ بھی کشتی کی زبان ہی سمجھتے تھے۔ وہ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کو نبی تبھی مانوں گا جب آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ نبوت کا کشتی سے کیا تعلق؟ حضورؐ کھڑے ہوئے، کشتی لڑی اور پچھاڑ دیا۔ رکانہؓ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں تو اتفاقاً ایسا ہو جاتا ہے، آپ میرے ساتھ دوبارہ کشتی لڑیں۔ حضورؐ نے دوسری بار بھی پچھاڑ دیا۔ رکانہؓ کہنے لگے کہ ایک بار اور لڑیں۔ چنانچہ تین بار کشتی لڑی اور حضورؐ نے تینوں بار کامیابی حاصل کی، اس پر رکانہؓ نے اسلام قبول کرلیا۔

رسول اللہؐ کی دعوت کا اسلوب یہی تھا کہ مخاطب کی ذہنی سطح کے لحاظ سے بات فرماتے تھے، ''زبان یارمن ترکی و من ترکی ندانم'' والا معاملہ نہیں تھا۔ (جاری)

جنت کی خوشبو سے بھی محرومی:

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنت کی خوشبو پانچ سو (۵۰۰) سال کی مسافت کی دوری تک پہونچتی ہے مگر ماں باپ کا نافرمان، ایسا بد نصیب شخص ہے کہ جنت کی خوشبو اور ہوا سے بھی محروم رہے گا۔

''عن أبی هریرة قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُرَاحُ رِيحُ الْجَنَّةِ مِنْ مَسِيْرَةِ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ، وَلَا يَجِدُ رِيحَهَا مَنَّانٌ بِعَمَلِهِ، وَلَا عَاقٌ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ''۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد، رقم ۱۳۴۳۵: ، ورواہ الطبرانی فی الصغیر)

انوارِ حدیث

تیسری قسط

محبوبِ رسولِ خدا

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

ماں کی خدمت کا جذبہ

محمد بن سيرين قال: بلغتِ النخلةُ على عهد عثمان رضي الله عنه ألفَ درهم ، قال: فعمد أسامة إلى نخلة فنقرها و أخرج جمّارها فأطعمها أمه فقالوا له: ما حملك على هٰذا و أنت ترىٰ النخلة فقد بلغت ألفاً؟ فقال: إنّ أمي سألتنيه و لا تسألني شيئاً أقدر عليه إلا أعطيتها (المعجم الكبير ۱/۱۵۹-رقم الحديث ۳۷۰)

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت میں کھجور کے درخت کی قیمت ایک ہزار درہم کو پہونچ گئی تھی، اس وقت حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک کھجور کے درخت کو کھود کر اس میں سے جُمّار (سفید گودا) نکالا اور پھر اسے اپنی والدہ کو کھلایا، اس پر لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کھجور کا درخت ایک ہزار کا ہو گیا ہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ میری ماں نے اسے مجھ سے طلب کیا تھا، اور وہ جو چیز بھی مجھ سے طلب کرتی ہیں اور مجھے اس پر قدرت حاصل ہوتی ہے تو وہ چیز میں انھیں ضرور لا کر دیتا ہوں۔

یہ تھا ماں کی خدمت اور ان کی خواہش و فرمائش پورا کرنے کا عظیم جذبہ جس کی بناء پر معمولی سے جُمّار کے لئے ہزار درہم کا قیمتی درخت بلا تامل کاٹ ڈالا۔

جنگوں میں شرکت اور امارت

عن جبلة بن حارثه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا لم يغز أعطى سلاحه علياً أو أسامة رضي الله عنهما (المعجم الكبير ۲/۲۸۶-رقم: ۲۱۹۴)

حضرت جبلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خود جنگ میں نہ

جاتے تو اپنا ہتھیار حضرت علیؓ یا حضرت اسامہؓ کو دے دیتے تھے۔

حضرت اسامہ جنگِ موتہ میں اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے اور جب اس جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعین کردہ تینوں امیر (زید بن حارثہؓ، جعفر طیارؓ، اور عبداللہ بن رواحہؓ) یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے پرچم حضرت خالد بن ولیدؓ کے حوالہ کر کے انھیں امیر مقرر کر لیا تو جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی (یعنی اسامہ بن زید) کے حوالہ کیوں نہیں کیا گیا جس کے والد شہید ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۶۴)

یمامہ کے رہنے والے حضرمی نامی ایک شخص فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو ایک لشکر پر متعین کر کے بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ سے محبت فرماتے تھے اور اس سے قبل ان کے والد سے محبت کرتے تھے اور حضرت اسامہؓ کا کسی لڑائی میں یہ پہلا تجربہ کیا گیا تھا، چنانچہ دشمن کا سامنا ہوا اور جنگ ہوئی تو ان کی جنگ میں شدت کا چرچا ہوا۔

حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ فتح کی خوش خبری سنانے والا آپ کے پاس آچکا تھا، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے کھِلا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قریب بلایا اور جنگ کے احوال معلوم کئے، میں جنگ کے احوال آپ کو سنانے لگا، چنانچہ میں نے بتایا کہ کہ جب دشمن کو شکست ہوئی تو میں نے ایک آدمی کو پایا اور اسی کی طرف نیزہ بڑھایا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا، پھر میں نے اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا، یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمانے لگے، اسامہ! تم پر افسوس ہے، تم لا الٰہ الا اللہ کا کیا کرو گے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی جملہ دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے یہ تمنا کی کہ میں اپنے ہر عمل سے جو کیا ہے دستبردار ہو کر آج نئے سرے سے مسلمان ہوا ہوتا، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو سننے کے بعد میں کسی ایسے شخص سے قتال نہیں کروں گا جو لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۶۹)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ نے کہا کہ میں اللہ سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی کسی ایسے آدمی کو قتل نہیں کروں گا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میرے بعد بھی اے اسامہ! تو انھوں نہ کہا کہ آپ کے بعد بھی، (سیر آعلام النبلاء ۲/ ۵۰۵) چنانچہ آپؓ نے اس وعدہ کو مکمل طور

پر نبھایا اور فتنہ کے زمانہ میں بالکل الگ تھلگ رہے۔

اس لشکر کے امیر حضرت اسامہؓ تھے یا کوئی اور؟ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں اس واقعہ پر ''باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة'' کا عنوان لگایا ہے، اس کے ظاہر سے اور اسی طرح حضرمی کی مذکورہ بالا روایت سے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اسی کو ابن جریر نے سُدّی سے نقل کیا ہے، اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر تھے، اور دوسری طرف اہلِ مغازی اس واقعہ کو سریۂ غالب بن عبید اللہ اللیثی میں ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ امیر نہیں تھے۔

اور جس شخص کا قتل ہوا ہے، سُدّی نے اس کا نام مِرداس بن نہیک بتایا ہے، اور اس شخص کے متعلق یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جب دشمن کے لوگ مسلمانوں کی طرف پیش قدمی کرتے تو یہ سب سے بڑھ چڑھ کر اور سخت حملہ کرتا اور جب پسپا ہوتے تو ان کی حفاظت کرتا، اور کئی صحابہ کو اس نے اپنے ہاتھوں سے شہید کیا اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں انھیں جب شکست ہوگئی تو مرداس کے پاس کچھ بکریاں اور سرخ اونٹ تھے انھیں لے کر وہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چلا گیا اور وہاں اپنے جانوروں کو محفوظ کیا، اتنے میں حضرت اسامہؓ اور ایک انصاری صحابی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک پہونچ گئے اور اسے گھیر کر اس پر حملہ کے لئے ہتھیار اٹھایا تو اس نے لا إلہ إلا اللہ پڑھا، یہ دیکھ کر انصاری صحابی رک گئے اور حضرت اسامہ نے نیزہ مار کر اسے قتل کر ڈالا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے اور جان بچانے کے لئے لا إلہ إلا اللہ پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چاک کیوں نہیں کیا کہ تمھیں پتہ چلتا وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ یعنی باطن پر واقفیت کی تو کوئی صورت ہے نہیں اس کا حال تو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اس لئے ظاہر پر اکتفاء کرنا چاہئے تھا۔

اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرداس کی دیت ادا کرنے اور اس کا مال اس کے گھر والوں کو لوٹانے کا حکم فرمایا (سبل الہدیٰ والرشاد ۶؍ ۱۹۲- ۱۹۳، صحیح مسلم ۱؍ ۶۸)

مشعلِ راہ

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآنی پیمانہ

ضیاء الدین قاسمی ندوی، خیرآباد/مئو (یوپی) 9936661056

نبی رحمت، رسول کائنات، فخر موجودات، محمد عربی، فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وبعثت کو رب العالمین نے، مؤمنین پر اپنا احسان عظیم قرار دیا ہے کیوں کہ جن حالات اور جس ماحول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سسکتی، تڑپتی انسانیت کو حیات نو بخشنے کے لیے بھیجا تھا، وہ کائنات ارضی کا سب سے تاریک دور تھا، جس دنیا کو اللہ نے اپنے ذکر سے آباد رکھنے کے لیے بنایا تھا اور اس میں انسانِ خاکی کو شرف واعزاز عطا کر کے اس لیے بسایا تھا کہ وہ اپنے خالق ومالک کی اطاعت وبندگی کرے گا، اللہ کی الوہیت ووحدانیت کا پرچم لہرائے گا کیوں کہ یہی اس کے وجود کی بنیاد تھی، انسان کے ذریعہ اللہ وحدہ لاشریک لہ اپنی عظمت وکبریائی کا اعلان مسلسل چاہتا تھا، انسان کے ذریعہ اللہ رب العزت اپنی رحمت وبرکت اور مغفرت سے نسل انسانی کو نوازنا چاہتا تھا، وہ بے نیاز مولیٰ نہ کسی کی تعریف وتوصیف کا محتاج تھا نہ رہے گا، وہ تو صرف اور صرف اپنی کرم گستری کا اظہار کرنا چاہتا تھا، اس لیے فرمایا: ''وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ والإنْسَ إلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ، ما أريدُ منهم من رزقٍ وما أريد أن يطعمون، إنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو القُوَّةِ المَتِيْنِ۔'' (الذریات، آیت ۵۶)

میں نے انسان کو محض اپنی عبادت وبندگی کے لیے پیدا کیا، نہ میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلائیں، یقیناً اللہ وہی رزق دینے والا پختہ قوت والا ہے۔

یہ تھی انسان کی تخلیق کی غرض وغایت اور جب جب اس خاکی مخلوق نے ہواء وہوس میں پڑ کر اور شیطان کے فریب میں آ کر نافرمانی کی راہ اختیار کی، ایک اللہ کے بجائے سیکڑوں معبودانِ باطل کی پرستش شروع کی، ضلالت وجہالت میں گم ہو کر انسان ہدایت کی راہ سے دور ہوا، تو اللہ نے نبیوں، رسولوں (صلوات اللہ علیہم وسلامہ) کے ذریعہ سمجھانے، سدھارنے اور گمراہی سے نکالنے کی سنت جاری کی، انبیاء کی بعثت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام تک جاری رہا، اس دوران کوئی بھی زمانہ نبیوں اور رسولوں سے خالی نہیں رکھا گیا، مگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سو سال تک اللہ نے کسی رسول اور

نبی کو دنیا کے کسی خطہ میں نہیں بھیجا یہی فترت (یعنی نبیوں سے خالی زمانہ) کہلاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد سے رسول انقلاب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت تک کے اس درمیانی زمانہ میں، ابتداء کی کچھ صدیوں تک تو ایمان وتوحید پر لوگ قائم رہے، اطاعت وعبادت کا ماحول بنا رہا، لیکن جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا رہا شیطان اپنا مکروفریب عام کرتا رہا، اہل ایمان میں شرک وکفر اور بت پرستی کا بیج بوتا رہا کیوں کہ اس نے دھتکارے جانے کے وقت اللہ تعالیٰ سے چیلنج کے انداز میں کہا تھا ''چوں کہ آپ نے مجھے راندہ درگاہ کیا ہے تو میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا اور تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا''قَالَ فبمآ أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ۔'' (الاعراف، آیت ۱۶)

چناں چہ وہ اپنے مشن میں سرگرم تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں گمراہیاں عام ہوتی گئیں، توحید کی روشنی ماند پڑتی گئی، ایمان کی حرارت کم ہوتی گئی تو کفر نے پر پرزے نکالے، شرک کی تاریکی پھیلنے لگی، ظلم وتعدی، بدامنی، بدخلقی، شیطنت، ابلیسیت، کا بول بالا ہونے لگا، ہر طرف بدعقیدگی کا راج ہو گیا، فساد عمل کے ساتھ فساد عقیدہ اس حد تک بڑھا کہ خدائے واحد کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہا، اس دور کو اللہ رب العالمین نے عموم فساد سے تعبیر فرمایا ہے،''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ'' (الروم، آیت ۴۱) یعنی لوگوں کی بداعمالیوں سے خشکی وتری ہر جگہ فتنہ وفساد پیدا ہو گیا۔

چھٹی صدی مسیحی میں پوری دنیا ظلمت کدہ شرک وکفر بنی تھی، مشرق ومغرب تک خدا کی زمین کا کوئی بھی خطہ جہاں انسان آباد تھا، شرک وکفر اور ضلالت وجہالت سے محفوظ نہ تھا، جزیرۃ العرب جو بیت اللہ شریف کے وجود سے ایمان وتوحید کی علامت مانا جاتا تھا اس کے شہر مکہ میں خدا کا پہلا گھر بھی شرک کی نشانیوں سے پاک نہ رہا اور تین سو ساٹھ بت اس میں رکھ دیئے گئے، عربوں کا حال انتہائی خستہ تھا، دین ابراہیمی کے پیروکار عرب؛ لات وہبل کے پجاری بن چکے تھے، تمام انسانی واخلاقی قدروں کو پامال کر رہے تھے، سنگدلی، بے رحمی، خود پسندی، احساس برتری، من مانی زندگی، بے حیائی وبے غیرتی، شراب نوشی وقمار بازی، خوں ریزی وجنگ بازی ان کی پہچان بن چکی تھی، دنیا ان کو ننگ انسانیت مانتی تھی، وہ انسانوں کے روپ میں حیوان تھے، اسی مبارک شہر مکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا نجات دہندہ بنا کر مبعوث فرمایا اور عربوں کی حالت کو بیان کرتے ہوئے آپ کی بعثت کو نعمت کبریٰ قرار دیا ''وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ

كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا'' (آل عمران، آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماں کو کسی قوم وعلاقہ کی حدود تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپ کو رحمۃ للعالمین کا تمغہ عطا فرما کر مبعوث فرمایا تھا، سارے جہاں کا رسول بنایا تھا، اس لیے کہ اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ولادت وبعثت میں سب سے آخر میں ہیں لیکن نبوت ورسالت میں سب سے اول ہیں، تمام نبیوں کو ان کے عہد وزمانہ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ رسول عربی کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، سب نے اس کا عہد واقرار کیا تھا، ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا۔'' (آل عمران، آیت ۸۱)

اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم

اللہ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار نبی ورسول بھیجے، ان کو خصوصی فضیلت بھی عطا کی بعض کو بعض پر صفات وکمالات میں فوقیت بھی دی ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' (البقرۃ، آیت ۲۵۳) لیکن کسی رسول کی امت کو اس طرح اعزاز نہیں بخشا جس انداز میں مسلمانوں کو اس آیت سے اعزاز عطا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو احسان خداوندی فرمایا ہے: ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔'' (آل عمران، آیت ۱۶۴)

> تحقیق کہ اللہ نے مؤمنین پر احسان کیا جب ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے حالاں کہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

محسن حقیقی اللہ کی ذات ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کے احسان کی اسی شان سے قدر کی جائے جس درجہ کا احسان ہے، اسی کو احسان شناسی کہیں گے اور تمام روایتوں اور حقائق سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنے شمائل وخصائل، محاسن ومحامد کے ساتھ انسانیت کے لیے سب سے عظیم احسان ہے، آپ وجہ تخلیق کائنات ہیں، آپ نسل انسانی کے لیے حیات نو کا باعث ہیں، آپ دنیا کی بقا کے

ضامن تھے، اگر آپ کی ولادت وبعثت نہ ہوتی تو یہ دنیا فنا ہوجاتی اور ہر وجود نیست ونابود ہوجاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَ کُنتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْهَا'' (آل عمران، آیت ۱۰۳) تم اپنی بدعقیدگی، بے حیائی، فحش کاری، گمراہی اور بدعملی کی وجہ سے جہنم کے کنارے کھڑے تھے ہلاک ہونے والے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، ایک نئی زندگی عطا کی، نئے دور کی شروعات ہوئی۔

وہ کون ذات تھی جس کو اللہ نے سبب بنایا تو وہ ذات اقدس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، آپ کی بعثت نے انسانیت کی سوکھی کھیتی کو ہریالی سے ہمکنار کیا، ہلاکت کے دہانے پر کھڑے لوگوں کو بچا کر رشد وہدایت کی راہ پر لگایا ظلمت کدۂ شرک میں ایمان وتوحید کا چراغ روشن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آسمانی تعلیمات اور خداوندی ہدایات کے ذریعہ عربوں کی زندگی کا رخ بدل دیا، سوچنے اور عمل کرنے کا انداز بدل دیا، افکار ونظریات میں ایمان کا رنگ بھر دیا، دنیائے فانی کو اصل سمجھنے والوں کو آخرت کی اصل زندگی کا احساس کرایا، بعث بعد الموت پر یقین پیدا کیا کہ ہر فرد آخرت کے لیے سوچنے اور اسی اصلی زندگی کے لیے عمل کرنے والا بن گیا، دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بیگانہ بن گیا، آپ کی تعلیم وتربیت نے ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ ہر شخص اپنے خالق ومالک کے لیے جان دینے لگا، اسی کی رضا کے لیے ہر عمل کرتا تھا، اپنی ہر تمنا اور ہر خواہش کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضیات کے لیے تابع بنالیا، اس کی کسی سے محبت بھی اللہ کے لیے ہوتی تھی، کسی سے نفرت بھی صرف اللہ کے لیے ہوتی تھی، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ و اَبْغَضَ لِلّٰہِ و اَعْطَیٰ لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَان۔ (رواہ ابوداؤد)

جس نے اللہ کے لیے محبت کی اسی کے لیے کسی سے بغض رکھا، اسی کی خوشنودی کے لیے کسی کو کچھ دیا اور اسی کی رضا کی خاطر کسی کو دینے سے انکار کیا تو اس نے اپنے کو کامل والا ایمان بنالیا۔

آپ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر گہرائی اور سنجیدگی سے مطالعہ کرتے جائیں گے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کا سب سے بڑا احسان وانعام ہونا معلوم ہوتا جائے گا اور خود بخود آپ کے دل میں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے بھی محبت رسول کو اپنی محبت کے حصول کا زینہ بتایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کمال ایمان کے لیے لازم قرار دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ

سے محبت کی اس کو چاہئے کہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے ضروری ہے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے اور جن کو صحابہ سے محبت ہے لازم ہے کہ قرآن سے بھی محبت ہو اور جن کو قرآن سے محبت ہے وہ مساجد سے محبت رکھیں کیوں کہ مسجدیں اللہ کا آنگن ہیں۔(ذہبی-میزان الاعتدال ۴ :/۵۷۶)

اورحضرت ابولیلیٰ روایت کرتے ہیں: ''لاَ یؤمنُ عبدٌ حتی أکون أحبَّ إلیہ من نفسہ و أھلی أحبَّ إلیہ من أھلہ، و عترتی أحب إلیہ من عترتہ و ذاتی أحب إلیہ من ذاتہ۔(أخرجہ الطبرانی مجمع الزوائد ا :/۹۳)

فرمایا: کوئی بندہ، مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں اور میرے اہل، اس کے اہل سے زیادہ اس کے نزدیک محبوب نہ بن جائیں اور میری اولاد واحفاد اس کی اولاد واحفاد سے زیادہ پیارے نہ ہوجائیں اور میری ذات کو وہ اپنی ذات سے زیادہ نہ چاہنے والا بن جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یؤمن أحدکم حتی أکونَ أحب إلیہ من والدہ و ولدہ و الناس أجمعین۔(رواہ البخاری ومسلم)

تم میں کا کوئی مؤمن (کامل مؤمن ہونا مراد ہے) نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے لیے اس کے ماں باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ محبوب ہوجاؤں۔

محبت رسول کا قرآنی پیمانہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نہیں بلکہ آپ کی نسبت سے آپ کے اہل بیت، آپ کے اہل خانہ، آپ کی ازواج اور جملہ اہل خانہ سے بھی والہانہ محبت رکھنا یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کرنا حدیث سے ثابت ہے، اس لیے کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں محبوب رکھا اور ان سے راضی رہے ان کی خدمات سے خوش تھے، ان کے عمل و کردار اور اخلاق کو پسند کرتے تھے، ان کے لیے دعائیں کرتے تھے، ضروری ہے کہ ہم ان سب سے بے لوث محبت کریں، ان پر نقد و جرح اور تبصرہ سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کریں، اس لیے کہ اس سے محبوب خدا کو تکلیف پہونچتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، کیوں کہ اس کے محبوب کے محبوبوں پر زبان طعن و تشنیع درازکی ہے، یہیں تک نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے محبت رسول کی صداقت کا ایک واضح معیار و پیمانہ طے کردیا ہے، اگر ہم درج ذیل آیت کا تجزیہ کریں گے تو مذکورہ بالا احادیث رسول اس آیت کریمہ کی تفسیر معلوم ہوتی ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۔ (توبہ،آیت ۲۴)

آپ (مسلمانوں سے) کہہ دیں! اگر تمہارے باپ اور بیٹے، اور بھائی اور بیویاں اور خاندان اور وہ مال جن کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور وہ تجارت جن کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جو تم کو پسند ہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تو ٹھہر و انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم (تمہارے بارے میں) آجائے اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ نے کل آٹھ چیزوں کو گنایا ہے کہ اگر ان چیزوں کی محبت تم پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے زیادہ غالب ہے تو پھر اپنی خیر مناؤ اپنے انجام کے بارے میں سوچو، یہ آٹھ وہ امور ہیں جن سے طبعی طور پر انسان کو الفت اور دلی مناسبت ہوتی ہے، ماں باپ کی محبت فطری ہے اور اللہ نے اس محبت کو ماں باپ اور بیٹے کے دل میں رکھا ہے، کیوں کہ والدین کا درجہ بایں معنیٰ بلند ہے کہ ان کو اللہ نے ہماری تخلیق کا ذریعہ بنایا ہے، ہماری پرورش کرائی ہے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اس قدر تاکیدی حکم دیا ہے کہ ان کی کسی بات پر ناگواری کا حرف بھی زبان سے ادا کرنا جرم قرار پائے گا "لا تقل لهما أفٍ ولا تنهرهما " اس سے آگے کسی کے لیے محبت واحترام کا درجہ کون سوچ سکتا ہے، لیکن محبت رسول کو ان کی محبت پر غالب رکھنے کا حکم ہے کہ اگر کسی موقع پر ماں باپ کا حکم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکے حکم سے متصادم ہو، وہ شرک وکفر کا حکم دیں، معاصی وسیئات کے ارتکاب کو کہیں مثلاً کسی کو قتل کرنے، کسی پر ظلم وغیرہ کرنے کی تاکید کریں تو پھر ان کی اطاعت ومحبت کو درکنار کرنا واجب ہوگا، یہی محبت رسول کا تقاضا ہے۔

ماں باپ کے لیے اولاد سب سے پیاری ہوتی ہے، اپنی اولاد کے لیے وہ سب تکلیف برداشت کر لیتے ہیں، ان کی خواہش کے سامنے اپنے اصول تک توڑ دیتے ہیں لیکن دینی امور اور احکام شریعت پر عمل کرنے میں، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں اگر کوئی بیٹا حائل ہوتا ہے تو اس سے بے پناہ محبت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کو فوقیت دی جائے گی، انہیں پر بھائی بیوی اور مال ودولت، تجارت اور مکان کی محبت کو قیاس کر لیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں کہ ان اشیاء اور افراد سے کتنی گہری محبت ہے اور جب آزمائش کی گھڑی آتی ہے اور ایک طرف محبت رسول کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے لیے، رسول کے لیے اپنا مال خرچ کرو، اپنی اولاد کو راہ خدا میں بھیجو، اپنی تجارت کو حلال طور پر فروغ دو، اس میں بظاہر

آمدنی کم ہے لیکن کسب حلال محبت رسول کا تقاضا ہے، ایمان وتوحید اور محبت رسول کی راہ میں گھر بار وطن وملک، رشتہ دار واقارب کو چھوڑنا پڑے تو بلا کسی تردد کے سب کو ترک کردینے کا سچا حوصلہ ہوتا ہے یا نہیں؟

کیا ہم آپ جو رات دن محبت رسول کی باتیں کرتے ہیں، قرآن کے اس مقرر کردہ پیمانہ پر اپنی محبت کو پاتے ہیں؟ کیا ہماری محبت صرف دعووں، باتوں، نعروں، نعتوں، تقریروں تک محدود ہے یا واقعی عشق رسول کی تپش ہم مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے پر آمادہ کرتی ہے، تاریخ نے محمد عربی کے ان فدا کاروں، جاں نثاروں کی سیرت کو محفوظ کیا ہے، ان کی محبت کے قصے تصوراتی نہیں، تاریخی حقائق ہیں یہ وہی گروہ مقدس تھا جس نے اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے ادنیٰ اشارہ پر نچھاور کردیا، مکہ سے ہجرت کرنے والے صحابہ کے قصے پڑھیں، صہیب رومیؓ کی ہجرت کی داستان کا مطالعہ کریں، مالدار ترین صحابی تھے، مگر جب ہجرت کرنے لگے تو مشرکین مکہ نے راہ روکی، اس پر معاہدہ ہوا کہ صہیب رومی کی ساری جائداد، سارا مال کفار قریش لے لیں اور ان کو ہجرت کرنے دیں، اللہ اکبر کیا شانِ محبت تھی، اللہ کے رسول کا یہ عاشق صادق جب مدینۃ الرسول میں دربار رسالت میں پہونچا تو تن پر ایک کمبل کے سوا کچھ نہ تھا، بھوک سے بے حال تھے، اللہ کے محبوب کو جب اپنا قصہ سنایا تو زبان رسالت بول اٹھی ربح البیع أبایحیی ربح البیع أبایحیی ابویحییٰ صہیب کو بیع میں بڑا نفع ہوا، یہ جملہ دو دفعہ فرمایا اور اللہ نے آیت نازل فرمائی: ''وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ''(البقرۃ:۲۰۷) بعض وہ لوگ ہیں (مراد صہیب رومی) جو اللہ کی رضاجوئی کی خاطر اپنے ہی کو خرید لیتے ہیں (اپنا مال دے کر)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہزاروں قصے ہیں جن کے سامنے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کی داستان محبت پھیکی پڑ جاتی ہے اور وہی نفوس قدسیہ ہیں جو صد فیصد قرآن کریم کے طے کردہ معیار و پیمانہ پر اترتے ہیں، تفصیل مطلوب ہو تو صحابہ کرام کی محبت رسول پر بہت کچھ کتابوں میں مل جائے گا، غزوات کی شرکت ہو یا اسفار کی شدت، دربار رسالت کی حاضری ہو یا منشاء رسول کی پاسداری ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کا عملی نمونہ بن کر سامنے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے منتظر رہا کرتے تھے، اور بڑی سے بڑی قربانی دے کر اپنے آپ پر فخر کرتے تھے کہ میرے محبوبوں نے شرف قبولیت سے نوازا۔

محبت رسول جزو ایمان کیوں ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بےلوث والہانہ محبت کرنے کو ایمان کا جزو کیوں قرار دیا گیا اس حکمت

کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اللہ سے مانگنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) کو اپنے احکام واوامر دے کر بندوں کو ضلالت وجہالت اور شرک وکفر کی زندگی سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا ''وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ '' (مائدہ، آیت ۱۶) اس لیے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کو لازم فرمایا، اس کے بغیر نجات نہیں، فرمایا: ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ'' (النساء:۶۴)

اور رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے کہ رسول وہی کہتا ہے جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے خود اس حکم ربانی کا مکلف ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے، چناں چہ اللہ نے فرمایا: ''وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ '' (نساء، آیت ۸۰) جو بھی رسول کی اطاعت کرے گا وہ حقیقت میں اللہ کی اطاعت کرے گا۔

اطاعت اور تابعداری اسی کی ممکن ہے جس سے محبت ہو، مطاع کی ہر ادا کو ہر انداز کو اور اس کے ہر حکم کو بلا تردد اور تکدر بطیب خاطر بجالانا ہی اطاعت ہے جس کے لیے لازم ہے کہ اس سے بے پناہ محبت ہو اس کی بات دل کو بھاتی ہو، اس کی ہر ادا پیاری لگتی ہو اور محب وعاشق کمال عشق کو تبھی پہونچا کرتا ہے جب محبوب کا حکم ہی نہیں بلکہ اس کے بولنے، چلنے، پہننے، اٹھنے بیٹھنے، لباس وپیرہن کو اپنا کر خوش ہو، کبھی کوئی اپنے دشمن کی اداؤں اور طریقوں کو اختیار نہیں کرتا، جس سے نفرت ہوتی ہے اس کی ہر چیز کو ناپسند کرتا ہے، اس کو ہمارے لیے سمجھنا آج خود اپنے گھر کے بچوں اور نوجوانوں نے آسان کر دیا ہے کہ ان کو کس سے محبت ہے، ان کا آئیڈیل ذات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جن کو اللہ نے ہمارے لیے اُسوہ اور نمونہ بنایا ہے ''لقد كان لكم رسول الله أسوة حسنة'' کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہتر طریقہ اور نمونہ ہے، یا پھر اس زمانہ کے فلمی ہیروز، کرکیٹر، اور فلمی ایکٹر، جن کے لباس سے لے کر بال تک ہماری نئی نسل فخر سے اپناتی ہے، انہیں کے رنگ میں خود کو ڈھالتی ہے، انہیں کی چال چلتی ہے، انہیں کی بولی بولتی ہے، فیصلہ آپ کر سکتے ہیں۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی بنیادی علت، محبت اطاعت کراتی ہے اور اطاعت جب دل سے ہوتی ہے تو عقیدت میں ڈھل جاتی ہے، اس کے بعد ہی اللہ کی محبت وخوشنودی حاصل ہوگی۔ علامہ اقبال نے بالکل سچ کہا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں	یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

محبت کے لیے کوئی نہ کوئی ظاہری یا باطنی خوبی درکار ہوتی ہے، محبت ہمیشہ وصف سے ہوتی ہے، حسن

وجمال ظاہری اسباب واوصاف ہیں، سیرت طیبہ باطنی اوصاف کا حصہ ہے، کوئی کسی کے لب ورخسار پر سمرقند وبخارا نچھاور کردیتا ہے تو کوئی کسی کی اداؤں کا دیوانہ ہوکر صحرانوردی کرنے لگتا ہے، مگر جو لوگ سیرت حسنہ اخلاق حسنہ کو باقی رہنے والی خوبی سمجھتے ہیں وہ اپنے کو محبوب کی اتباع کا شیدائی بنالیتے ہیں، وہی سیرت اختیار کرتے ہیں، رسول کائنات، فخر موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ذات حسن ظاہر میں بھی لاثانی ہے اور حسن سیرت میں بھی بے نظیر ہے، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''إِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل سے واقفیت رکھنے والے دوست ہوں کہ دشمن آپ کی محبت کے اسیر ہوکر رہتے ہیں، صحابہ کرام تو رات دن آپ کی صحبت سے بہرہ یاب تھے، ظاہری حسن پر جب اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

واحسن منک لم تر قط عینی ۔۔۔ وأجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب ۔۔۔ کأنک قد خلقت کما تشاء

آپ سے حسین میری آنکھوں نے کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے کسی بچہ کو جنم نہیں دیا آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے گویا آپ جیسے چاہتے تھے ویسے ہی پیدا ہوئے۔

اگر ہم اپنی دنیا وآخرت کو سنوارنا چاہتے ہیں تو اپنی محبت رسول کو اسی پیمانہ پر ناپنا ہوگا جو قرآن نے مقرر کیا ہے اور جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام نے پیش کیا تب جاکر محبان رسول کی فہرست میں ہمارا نام درج ہوگا ورنہ ان ظاہری حلیوں، تقریروں اور نعروں سے کیا بات بنے۔

یہ سچ ہے کہ میلاد وسیرت کے جلسے، بظاہر ہیں بام سعادت کے زینے
یہ سچ ہے کہ نعت محمد کے موتی، ہے ایماں کی انگشتری کے نگینے
مگر اے قصیدہ گرو یہ تو سوچو!، کہ بے روح لفظوں کی قیمت ہی کیا ہے
بنے ہیں کہیں نقش آب رواں پر؟ چلے ہیں کہیں خشکیوں پر سفینے؟

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

دعوتِ فکر و عمل

بارات میں کھو گیا ولیمہ

مولانا امداد الحق بختیار

رئیس تحریر عربی مجلہ "الصحوۃ الاسلامیۃ" واستاذ حدیث وعربی ادب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد انڈیا،

مسلمان روز اول سے اسلامی قوانین، قرآنی ہدایات اور نبوی ارشادات کے پابند ہیں، اسلام مخالف دوسری تہذیبوں، رسم ورواج اور طور طریقوں کو نہ قبول کرنا ایک کامل مسلمان کی علامت، اس کا فخر اور امتیاز ہے؛ لہٰذا کسی موقع پر بھی اسلام کے خوبصورت نظام کے بجائے کسی دوسری تہذیب کو عملی طور پر اختیار کرنا، یہ اسلام پر اس غیر تہذیب کو ترجیح دینے کے مترادف ہے، جو ایک مسلمان کی شایان شان کبھی نہیں ہوسکتا۔

بہت سے علاقوں میں بہت سی چیزوں میں ہمارے بعض مسلمان جانے انجانے میں اسلام مخالف طور طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں اور اسلامی طریقہ ان کی زندگی سے دور جا رہا ہے؛ مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی ہندوانہ رسمیں ہمارے مسلم معاشرہ میں دبے پاؤں آگئی ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے غائب ہورہے ہیں؛ چنانچہ بعض مسلم علاقوں میں بارات کا غیر معمولی انتظام کیا جا رہا ہے اور دوسری جانب ولیمہ کی سنت آہستہ آہستہ ختم ہورہی ہے، دولہے والے اپنے تمام متعلقین، رشتہ دار اور احباب کو صرف بارات میں مدعو کرتے ہیں اور لڑکی والوں سے اچھے انتظامات کا مطالبہ کرتے ہیں؛ بلکہ ان پر دباؤ ڈالتے ہیں، ناشتہ، ریفریشمنٹ، مشروبات سے لے کر کھانے کی انواع اور میٹھے کی اقسام سب کی لڑکے والوں کی طرف سے لسٹ تھما دی جاتی ہے اور لڑکی والے چارو ناچار تمام انتظامات کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، حتی کہ بعض تو بارات لانے، لے جانی والی گاڑیوں کا خرچ بھی کسی اور نام سے لڑکی والوں سے ہی وصول کر لیتے ہیں، اسی طرح باراتیوں کی تعداد میں بھی روز بروز اضافہ ہورہا ہے، دوسو، ڈھائی سو اور اس سے بھی زیادہ بارات لے کر جاتے ہیں۔

جب کہ اسلام میں نہ صرف یہ کہ اس کی کہیں سے کہیں تک کوئی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس میں اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے بہت سی غلط باتیں ہیں، اسلام ناحق کسی کے مال کو کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا؛ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے بالکل صراحت کے ساتھ فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (سورہ نساء 29)

اے ایمان والوں! تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ پر مت کھاؤ، مگر یہ کہ وہ مال تمہاری آپسی رضامندی کی تجارت سے تمہیں حاصل ہو، (اور ایسا کر کے) تم اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو، بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔

اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالی نافرمانوں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو وعید کے انداز میں فرماتے ہیں کہ جو اللہ کی اس ہدایت کے باوجود اس پر عمل نہیں کرے گا اور ایک دوسرے کے مال کو ناحق استعمال کرے گا، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا. (سورہ نساء 30)

اور جو اس طرح کی ظلم و زیادتی کرے گا تو ہم اس کو جہنم کی آگ میں پہنچادیں اور یہ عمل اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ فِي حَجَّتِه: أَلَا وَإِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَحِلُّ لَهُ دَمُهُ وَلَا شَيْءٌ مِنْ مَالِهِ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسِهِ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ (سنن الدارقطنی، کتاب البیوع، حدیث نمبر 2881)

ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: سنو! مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کا خون حلال ہے اور نہ اس کی خوش دلی کے بغیر اس کا مال دوسرے مسلمان پر حلال ہے۔ کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا: جی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ آپ گواہ رہیے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اب تک کے سب بڑے مجمع میں انتہائی بلیغ اور جامع خطبہ دیا تھا، جس میں پوری اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور اس کی انتہائی اہم اور بنیادی باتیں بیان فرمائی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ سے اعتراف بھی کروایا تھا کہ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچادیا نیز اس اقرار اور اعتراف پر اللہ کو گواہ بھی بنایا تھا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس خطبہ میں کتنی اہم باتیں بیان فرمائی ہوں گی، انہیں پیغامات میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیغام یہ ہے "

ایک مسلمان کا مال اس کی رضامندی بلکہ خوش دلی کے بغیر دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے“۔

اب ہم غور کریں کہ بارات کا کھانا جولڑکے والے، ان کے متعلقین اور رشتہ دار واحباب کھاتے ہیں، یہ کھانا جولڑکے والوں کے مطالبہ پر، یا معاشرے کے دباؤ میں تیار کیا گیا ہے، کیا اس کا کھانا حلال اور طیب ہے؟ اور اگر کہیں بالفرض نہ معاشرے کا دباؤ ہو اور نہ ہی لڑکے والوں کی ڈیمانڈ ہو؛ پھر بھی ایک غلط رسم کی وجہ سے یہ کھانا درست نہیں ہوسکتا۔

آج کل بعض مسلمان بڑے فخر سے اپنے متعلقین کو بارات کی دعوت دیتے ہیں، لڑکی والوں کے پیسے اوران کے انتظامات سے اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، لڑکی والوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری حیثیت کے مطابق انتظامات کیے جائیں؛ بلکہ بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنی حیثیت سے بھی زیادہ کا مطالبہ کرتے ہیں؛ گویا سارے ارمان لڑکی والوں کے پیسے پر ہی پورے کرتے ہیں اوراس پر فخر بھی کرتے ہیں، یعنی جو چیز عیب اور شرمندگی کی ہے، وہ فخر اور بڑائی کی ہوگئی، یہ کیسی بے شرمی کی بات ہے۔

نیز یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ لڑکی والوں سے تو عمدہ انتظامات، معیاری استقبال اور لذیذ کھانوں کا مطالبہ کرتے ہیں؛ لیکن جب ولیمہ کرنا ہوتا ہے تو پھر خانہ پری اور صرف ادائے رسم پر اکتفا کرتے ہیں، نہ استقبال کے معیاری انتظامات اور نہ ہی کھانے میں انواع واقسام اور نہ مدعووین کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ، یعنی بس رسمی سا ولیمہ کرکے ذمہ فارغ کر لیتے ہیں۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض مقامات پر ولیمہ کی سنت آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے، لڑکے والے بارات میں ہی اپنے تمام مہمانوں کو مدعو کر لیتے ہیں اوراسی پر اکتفا کرتے ہوئے ولیمہ غائب کردیتے ہیں، جب کہ ولیمہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس سے نکاح میں برکت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام نکاح کے بعد ولیمہ کیا ہے اور امت کو بھی اس کی تاکید فرمائی ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أولم ولو بشاة (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2048)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا: ولیمہ کرو؛ چاہے ایک بکری کا ہی کیوں نہ ہو۔

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: مَا أَوْلَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ أَكْثَرَ - أَوْ أَفْضَلَ - مِمَّا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ (صحیح مسلم،حدیث نمبر1428)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا ولیمہ جتنا عمدہ اور وسیع کیا تھا، اتنا کسی زوجہ کے نکاح کے وقت نہیں کیا۔

لہٰذا ولیمہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور برکت والی دعوت ہے، اس سے نکاح میں برکت ہوتی ہے، اس مبارک دعوت کو ہم نے چھوڑ دیا اور بارات کی دعوت کو رواج دینے لگے، اس پر زیادہ توجہ دینے لگے، بالکل صحیح ہے کہ جہاں کوئی غلط چیز رواج پا جاتی ہے، وہاں سے سنت اپنا منہ موڑ لیتی ہے؛ اسی لیے بارات کی نحوست کی وجہ سے ولیمہ کی سنت ہمارے معاشرے سے رخصت ہو رہی ہے، جس کا وبال بھی مختلف صورتوں میں ہمارے معاشرے میں ظاہر ہو رہا ہے، کسی گھر میں سکون نام کی چیز نہیں، والدین کو لڑکے اور اپنی بہو سے تکلیف رہتی ہے، اولاد کو والدین کے رویہ سے شکایت رہتی ہے۔

یہ ہمارے لیے لمحہ فکر اور مقام عبرت ہے، ہمیں اپنے رویہ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پابند ہیں؛ لہٰذا ہمیں بارات کی رسم کو ختم کرنے اور بارات میں شرکت سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے، کہیں بدرجہ مجبوری شرکت بھی کرنی پڑے تو ہم عہد کر لیں کہ بارات کا کھانا نہیں کھائیں گے، کوئی بارات کی دعوت دے تو اس سے کہیں کہ آپ ہمیں ولیمہ کی دعوت دیجیے ہم اس میں شرکت کریں گے ان شاء اللہ، اور بارات میں جانے سے معذرت کر دیں، اسی طرح لڑکے والوں کو بھی چاہیے کہ اپنے لڑکے کی شادی کی برکت کی خاطر اس بری رسم پر عمل نہ کریں، ان شاء اللہ اللہ تعالی اس شادی کو بابرکت بنائے گا اور لڑکی والوں کے دل سے بھی دعا نکلے گی۔

اگر لڑکے والے بارات پر مصر ہوں تو گاؤں کے بڑے لوگوں کے ساتھ مشورہ کر کے انہیں سمجھایا جائے، نوجوانوں کو بھی چاہیے کہ شادی کے موقع پر اپنی غیر اسلامی خواہشات پر کنٹرول رکھیں، بارات کی نحوست سے پرہیز کریں، ان شاء اللہ اس کے خوشگوار نتائج معاشرے میں ظاہر ہوں گے، بہت سے تنازعات اور اختلافات اس کی برکت سے ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گھروں کو سکون واطمینان، اتحاد واتفاق اور خیر وبرکت کا گہوارہ بنائے۔ آمین!

علمی تحقیق

دوسری و آخری قسط

اِیمان کے ستّر (۷۷) شعبے

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

۲— : زبان سے متعلق اعمال کے سات شعبے ہیں:

۳۱—زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار۔

۳۲—تلاوتِ قرآن (اصل یہ ہے کہ ضروری شرائط پوری کر کے قرآن کو تدبر کے ساتھ سمجھ کر پڑھا جائے، لیکن بے سمجھے پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں، اُس میں بھی ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، بس دونوں کے وزن میں فرق ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم)۔

۳۳—علم سیکھنا۔

۳۴—علم سکھانا۔

واضح رہے کہ ''علم'' نام ہے حق و باطل، صحیح و غلط اور اچھے و برے کے درمیان فرق سمجھنے اور تمیز کرنے کی صلاحیت کا۔ جس کو یہ صلاحیت دینی اُمور، شرعی مسائل اور اِسلامی عقائد واَحکام سے متعلق حاصل ہوجاتی ہے اُس کو ''عالمِ دین'' کہتے ہیں۔

نیز شریعت میں اُس ''علم'' کا سیکھنا اور سکھانا ''اِیمان کا شعبہ'' اور عبادت کا حصہ ہے جو اللہ کی ذات وصفات کی، یا اُس کے اَحکام کی معرفت کا ذریعہ ہو؛ خواہ اَصالۃً، جیسے تفسیر وحدیث اور فقہ وتصوف کا علم، خواہ بالواسطہ، جیسے نحو وصرف، لغت ومعانی، بلاغت وبیان، منطق وفلسفہ، طب وسائنس اور تاریخ وجغرافیہ وغیرہ کا وہ حصہ جو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں معاون ہو، بشرطے کہ اِن علوم کو علومِ مقصودہ کے معاون کے طور پر ہی حاصل کیا جائے۔

ان کے علاوہ جو علوم وفنون ہیں وہ اگر شریعت کی طرف سے ممنوع نہ ہوں، اور اصل مقصدِ تخلیق (اللہ کی معرفت اور عبادت) میں مخل اور حارج بھی نہ ہوں، پھر اُن کو خدمتِ خلق، یا خدمتِ دین کا ذریعہ بنالیا جائے تو وہ

بھی بالواسطہ ''اِیمان کا شعبہ'' اور عبادت کا حصہ بن جائیں گے، جیسے طب و کیمیا، اور دیگر صنعت وحرفت۔

تاہم اُن کا ''اِیمان کا شعبہ'' ہونا اور موجبِ اجر وثواب ہونا بطور ''علم'' اور تعلیم وتعلم کے نہ ہوگا، بلکہ بوجہ خدمتِ خلق یا خدمتِ دین کے ہوگا، کیوں کہ شریعت کی اصطلاح میں ''علم'' کا اطلاق صرف قرآن وحدیث، اور فقہ وتصوف کے علوم پر، یا اِن کے معاون علوم پر ہی کیا جاتا ہے، ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: إن کل ما ثبت بالسنة الافتقار إليه لا يلزم أن يكون علماً، كالحجامة والزراعة والنساجة، فإنها من فروض الكفاية، ولا تسمى علوماً. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۱/۳۱۸)۔

اور جو علوم وفنون شریعت کی طرف سے صراحتاً منع کیے گیے ہیں، وہ بہر حال ممنوع ہی رہیں گے، جیسے سحر وموسیقی اور کہانت وشعبدہ وغیرہ، اور جو علوم وفنون مذکورہ بالا خصوصیات اور عوارض سے خالی ہوں وہ عام حالات میں مباح ہوں گے، کہ نہ اُن پر ثواب ملے گا، نہ گناہ۔ واللہ اعلم۔

۳۵—اللہ تعالی سے دعاء کرنا (اپنے لیے بھی اور عامۃ المسلمین کے لیے بھی)۔

۳۶—ذکر کرنا۔ درود واستغفار بھی ذکر کا حصہ ہے، بلکہ اُس کے اعلی افراد میں سے ہے۔

۳۷—لغو اور ممنوع کلام سے بچنا (اِس میں فضول گفتگو، ہنسی ٹھٹا، بے فائدہ بحث مباحثہ، جھوٹ، غیبت، بہتان، چغلی، تمسخر واِستہزاء، بے ہودہ گوئی، گالم گفتار، لعن وطعن، افشائے راز، خلافِ شرع گانا اور اَشعار پڑھنا وغیرہ سب داخل ہیں)۔

یہ فہرست زبان سے متعلق اعمال کی تھی۔

۳—وہ اعمال جن کا تعلق دیگر اعضاء وجوارح سے ہے

اُن کے چالیس شعبے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اعمال اولاً تین نوع کے ہیں:

اولاً نوعِ اول میں وہ اعمال داخل ہیں جن کا تعلق خود مکلف کی ذات سے ہے، یہ کل بارہ شعبے ہیں:

۳۸—طہارت ونظافت (وضوء، غسل، اور بدن وکپڑے ومکان کی پاکی سب اس میں شامل ہے)۔

۳۹—نماز ادا کرنا (فرض، نفل، قضاء اور جنازہ سب نمازیں اس میں شامل ہیں)۔

۴۰—زکاۃ وصدقات ادا کرنا (غریبوں کو کھانا کھلانا، جود وسخاوت کرنا اور مہمان نوازی وغیرہ بھی اسی میں شامل ہے)۔

۴۱—فرض اور نفل روزوں کا اہتمام کرنا۔

۴۲— حج وعمرہ کی ادائیگی کرنا۔

۴۳— اعتکاف کرنا، اور لیلۃ القدر کی تلاش کرنا۔

۴۴— اپنے دین کی حفاظت، یا دین پر عمل کرنے میں سہولت کی نیت سے ہجرت کرنا۔

۴۵— نذر (منّت) کو پورا کرنا۔

۴۶— کھائی ہوئی قسم کا خیال رکھنا۔

۴۷— قسم، یا نذر، یا روزہ ٹوٹ جانے، یا ظہار پیش آجانے، یا قتلِ خطا ہوجانے کی صورت میں شرعی کفارہ کا ادا کرنا۔

۴۸— ستر کا خیال رکھنا (پردہ کا اہتمام، نگاہوں کی حفاظت، اور عفت و پاکدامنی اختیار کرنا بھی اِسی میں شامل ہے)۔

۴۹— قربانی کرنا۔

ثانیاً نوعِ ثانی میں وہ اعمال داخل ہیں جن کا تعلق اہل وعیال اور ان لوگوں سے ہے جن کے حقوق مکلف کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں، اور اس کے چھ شعبے ہیں:

۵۰— نکاح کرنا (اور اُس کے تمام متعلقہ حقوق ادا کرنا)۔

۵۱— اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا اور خادموں کے ساتھ نرمی برتنا۔

۵۲— والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور ان کی نافرمانی سے بچنا (استاذ، شیخ، مربی اور دیگر محسنین کے حقوق بھی اِس میں شامل ہیں، اور حسنِ سلوک کے تین بنیادی ارکان ہیں: عدمِ ایذاء، حسبِ ضرورت بدنی خدمت اور حسبِ حیثیت مالی خدمت)۔

۵۳— اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت کی فکر کرنا (شاگرد، مرید اور دیگر زیرِ تربیت لوگوں کے حقوق بھی اس میں شامل ہیں)۔

۵۴— رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کرنا۔

۵۵— غلام کا اپنے آقا کی اطاعت کرنا۔

ثالثاً نوعِ ثالث میں وہ اعمال داخل ہیں جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے، اور اس کے بائیس شعبے ہیں:

۵۶ — انصاف کے ساتھ حکومت کرنا۔

۵۷ — حتی الوسع جماعتِ مسلمین کے ساتھ رہنا، اُن سے شذوذ اور کنارہ کشی نہ اختیار کرنا۔

۵۸ — مباح اور مشروع کاموں میں امیر کی اطاعت کرنا (گناہ اور معصیت کے کاموں میں نہیں)۔

۵۹ — لوگوں کے درمیان صلح کرانا (حتی کہ اگر اس کے لیے حق سے بغاوت کرنے والوں سے قتال بھی کرنا پڑے تو بشرطِ استطاعت اور وجودِ شرائط اُس سے بھی دریغ نہ کرنا)۔

۶۰ — نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا، اور برائی کے کاموں میں شرکت نہ کرنا۔

۶۱ — اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔

۶۲ — اللہ تعالی کی مقرر کردہ حقوق کو نافذ کرنا (اگر حاکم ہو تو عملی طور پر شرعی قانون نافذ کرے، اور عالم یا مقتدا ہو تو حسبِ ضرورت وقدرت زبان سے اُس کی حقانیت کا اثبات کرے، اور عامی ہو تو کم از کم دِل سے شرعی قانون کو برحق اور ہر دور میں قابلِ تنفیذ سمجھے، اور خلافِ شرع قوانین کو کفریہ نظام کا حصہ مانے)۔

۶۳ — بشرطِ استطاعت اور وجودِ شرائط جہاد کرنا اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔

۶۴ — امانتوں کا ادا کرنا (چندے میں اور مالِ غنیمت میں آئے ہوئے مال کو بیت المال تک پہنچانا بھی اس میں شامل ہے)۔

۶۵ — بیمار کی مزاج پرسی اور عیادت کرنا، اور اگر ضرورت ہو تو تیمارداری اور خدمت بھی کرنا۔

۶۶ — مسلمان کے جنازہ کے امور کو انجام دینا۔

۶۷ — ضرورت مند کو قرض دینا، اور لینے والے کا حسبِ وعدہ ادا کرنا۔

۶۸ — پڑوسی کا خیال رکھنا (بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی اِسی میں شامل ہے)۔

۶۹ — معاملات میں سچائی اور راستی اختیار کرنا، اور اپنی کمائی کو حلال رکھنے کی فکر کرنا (سود، رشوت اور فاسد معاملات سے بچنا)۔

۷۰ — مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا (نہ تو بے جا خرچ کیا جائے، کہ اس کو "تبذیر" کہتے ہیں، اور نہ مصرف میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے، کہ اس کو "اسراف" کہتے ہیں، اور یہ دونوں حرام ہیں)۔

۷۱ — سچی گواہی دینا اور گواہی کو نہ چھپانا۔

۷۲–سلام کا جواب دینا۔

۷۳–چھینکنے والے کے ’’الحمد للہ‘‘ کہنے پر ’’یرحمک اللہ‘‘ کہنا۔

۷۴–اگر کوئی مسلمان اپنے گھر دعوت دے تو اُس کی دعوت قبول کرنا (بشرطیکہ حلال وطیّب مال سے ہو، اور وہاں پر کسی منکر کا اندیشہ نہ ہو)۔

۷۵–لہو ولعب اور فضول کاموں سے بچنا (اِس میں ناجائز کھیل کود، اور بے مقصد تفریحات اور سیر سپاٹا بھی شامل ہے، جاننا چاہئے کہ شریعت میں اسی کھیل کی اجازت ہے جس کا مقصد یا تو اپنی جسمانی یا دماغی صحت اور قوت ہو، یا پھر بیوی بچوں کی تفریح ہو، بشرطے کہ اس کے اندر گناہ کا کوئی کام نہ ہو، اور وہ کھیل کسی شرعی حکم کی تعمیل میں مخل نہ ہو)۔

۷۶– مخلوق کو ایذاء نہ پہنچانا (اپنے ہاتھ سے، یا زبان سے، یا طرزِ عمل سے کسی کو بلا وجہِ شرعی کے تکلیف نہ دینا)۔

۷۷–راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا۔

جاننا چاہیے کہ معاشرت اور حقوق العباد کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے دوسروں کو مالی نفع بھی پہنچانے کی کوشش کی جائے (جیسے کھانا کھلانا وغیرہ) اور جانی راحت بھی (جیسے سلام کرنا اور اُن کے لیے دعائیں کرنا)۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مالی اور جانی میں سے کم از کم کوئی ایک فائدہ پہنچایا جائے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ نفع اور راحت نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دی جائے۔ پھر اپنی ذات سے تکلیف پہنچانے سے بچنا فرض ہے، اور عام ایذاؤں سے بچانے کی فکر کرنا مستحب ہے، جو اِیمان کا بھی آخری درجہ ہے، اور معاشرت کا بھی۔

مسک الختام : یہ کل ستہتر (۷۷) شعبے ہوئے، جن میں سب سے افضل اور اہم شعبہ: ’’اللہ کی وحدانیت کا اقرار‘‘ ہے، اور سب سے کم درجہ کا شعبہ ’’راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا‘‘ ہے، اور ’’حیا‘‘ سب سے اہم ترین شعبہ ہے، اِس لیے کہ شرم وحیا ہی کسی بھی خیر کی داعی اور محرک ہوتی ہے، کہ با حیا شخص دنیا وآخرت کی رسوائی اور شرمندگی کے خوف سے گناہوں سے بچنے اور طاعات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے،

ورنہ إذا لم تَستحيِ فاصنَع بما شِئتَ (بے حیا باش، ہرچہ خواہی کن) کا معاملہ رہتا ہے۔

فائدہ: شعب الایمان سے متعلق اِس زیر تشریح حدیث سے دو اہم باتیں اور معلوم ہوئیں:

پہلی یہ کہ عقائد کا درجہ دیگر اعمال واَحکام سے بڑھا ہوا ہے، جیسا کہ فأفضلُها قولُ ''لا إله إلا الله'' سے واضح ہے۔

دوسری یہ کہ بندہ سب سے پہلے اپنے عقائد واعمال کی درستگی کا مکلف ہے، دوسروں کی فکر کا درجہ اُس کے بعد ہے، جیسا کہ و أدناها إماطةُ الأذَی عن الطریق میں اِس کی طرف اِشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک اپنے عقائد، اعمال اور احوال درست نہ ہوں دوسروں کی فکر ہی نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے زیادہ اپنی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہو، اور حسبِ موقع اور تقاضا دوسروں کی بھی فکر کرلے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور ہر مسلمان کو طاعات کا شوق اور رغبت عطا فرمائیں، اور گناہوں اور نفسانی خواہشات سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور ہم سب کو اپنے مطیع وفرمانبردار بندوں میں شامل فرمالیں۔

و نَسأل اللهَ ربَّنا أن یَجعَلَنا و إیاکم مِمَن یُطِیعُه و یُطِیعُ رسولَه، و یَتَّبعُ رِضوانَه، و یَجتَنِبُ سَخَطَه، فإنما نَحنُ به و لَه. آمین.

وصلی الله وبارَك وسلَّم علی سیدنا وسندنا وشفیعنا ومولانا محمد إمام النبیین، وعلی آله وأصحابه أجمعین، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

ضروری اعلان

خریدار حضرات کے پتوں کی سلپ پر مدت خریداری کی اطلاع درج ہے اگر مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہو تو زرتعاون/300 روپئے سالانہ کے حساب سے ارسال فرمائیں۔

دفتر سے کسی قسم کی خط وکتابت یا رقم ارسال کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں، بغیر اس کے کارروائی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

سیرۃ النبی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس

مولانا ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی

''لباس'' مصدر ہے بمعنی ''ملبوس'' (پوشاک یعنی وہ چیز جسے پہنا جائے) جیسا کہ ''کتاب'' بمعنی ''مکتوب''۔ لباس کا لفظ عمامہ، ٹوپی، قمیص، جبہ، چادر، تہبند، پاجامہ اور جو کچھ پہننے میں آئے سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔** (الاعراف ۲۶)

اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس بنایا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔

''لِبَاسُ التَّقْوٰی'' سے مراد وہ لباس ہے جس میں حیا ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ (النحل ۸۱)

اور تمہیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ انسان اپنے علاقہ کی عادات واطوار کے لحاظ سے چند شرائط کے ساتھ کوئی بھی لباس پہن سکتا ہے، کیونکہ لباس میں اصل جواز ہے، جیسا کہ سورۃ اعراف آیت نمبر ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ: لباس اور کھانے کی چیزوں میں وہی چیز حرام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی روشنی میں علماء کرام نے لباس کے بعض حسب ذیل شرائط تحریر کیے ہیں:

۱ــ مرد حضرات کے لیے ایسا لباس پہننا فرض ہے، جس سے ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم چھپ جائے اور ایسا لباس پہننا سنت ہے جس سے ہاتھ، پیر اور چہرے کے علاوہ مکمل جسم چھپ جائے، عورتوں کے لیے ایسا لباس پہننا فرض ہے، جس سے ہاتھ، پیر اور چہرے کے علاوہ ان کا پورا جسم چھپ جائے۔

نوٹ: یہاں لباس کا بیان ہے نہ کہ پردے کا، غرضیکہ غیر محرم کے سامنے عورت کو چہرا ڈھانکنا ضروری ہے۔

۲۔ لباس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، مثلاً: مرد حضرات کے لیے ریشمی کپڑے اور خالص سرخ یا زرد رنگ کا لباس۔

۳۔ ایسا تنگ یا خفیف لباس نہ ہو جس سے جسم کے اعضاء نظر آئیں۔

۴۔ مردوں کا لباس عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو۔

۵۔ مردوں کا لباس زیادہ رنگین اور عورتوں کا لباس زیادہ خوشبو والا نہ ہو۔

۶۔ مردوں کا لباس ٹخنوں سے اوپر جبکہ عورتوں کا لباس ٹخنوں سے نیچے ہو۔

۷۔ کفار و مشرکین کے مذہبی لباس سے مشابہت نہ ہو۔

اُمتِ مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں اختصار کی وجہ سے صرف دو حدیثیں ذکر کر رہا ہوں:

> حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کپڑوں میں سے سفید کو اختیار کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (ترمذی، الجنائز ۹۹۴۔ ابو داود، اللباس ۴۰۶۱، ابن ماجہ، باب ماجاء فی الجنائز، مسند احمد ۱/ ۲۴۷)

زیادہ پاکیزہ اس لیے کہ وہ بہت جلدی میلے ہوجاتے ہیں، اسی لیے زیادہ دھوئے جاتے ہیں، برخلاف رنگین کپڑوں کے، کیونکہ دیر سے دھوئے جانے کی وجہ سے ان میں زیادہ گندگی ہوتی ہے۔ اچھے اس لیے کہ طبیعتِ سلیمہ ان کی طرف میلان کرتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب اللباس)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص

> حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں قمیص زیادہ پسند تھی۔ (ترمذی ۱۷۶۲، ابو داود ۴۰۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے جو اوصاف احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا رنگ عموماً سفید ہوا کرتا تھا۔ (ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد، وغیرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص تقریباً نصف پنڈلی تک ہوا کرتی تھی۔(ابو داود، ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین عموماً پہونچے تک ہوا کرتی تھی۔(ابو داود، ترمذی)

کبھی کبھی انگلیوں کے سرے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور قمیص کی آستین کشادہ ہوا کرتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اکثر اوقات سفید ہی ہوا کرتا تھا اور کبھی سیاہ اور کبھی سبز۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ عموماً ٦ / ٧ ذراع لمبا ہوا کرتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں کندھوں کے درمیان ڈالتے تھے، یعنی عمامہ شریف کا ''شملہ'' دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا۔(مشکوۃ، ص ۳۷۴)

نوٹ: شملہ لٹکانا مستحب ہے اور سنن زوائد میں سے ہے۔ شملہ کی کم از کم مقدار چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً سفید ٹوپی اوڑھا کرتے تھے۔ وطن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر سے چپکی ہوئی ٹوپی اوڑھا کرتے تھے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی ٹوپی اُٹھی ہوئی ہوتی تھی۔

علامہ ابن القیم اپنی بلند پایہ کتاب ''زاد المعاد فی ہدی خیر العباد'' میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی بھی پہنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی پہنے بغیر بھی عمامہ باندھتے تھے۔

سعودی عرب کے تمام شیوخ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ٹوپی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تمام محدثین ومفسرین وفقہاء وعلماء وصالحین کا طریقہ ہے، نیز ٹوپی پہننا انسان کی زینت ہے اور قرآن کریم (سورۃ الاعراف ۳۱) کی روشنی میں نماز میں زینت مطلوب ہے، لہٰذا ہمیں نماز ٹوپی پہن کر ہی پڑھنی چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام نافع کو ننگے سر نماز پڑھتے دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ ہم اس کے سامنے زینت کے ساتھ حاضر ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، موجودہ زمانہ کے محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اپنی کتاب ''تمام المنۃ'' کے صفحہ ۱۶۴ پر تحریر کیا ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ مبارک نکالا جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے، اور فرمایا کہ: یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، جب وہ وفات پا گئیں تو اسے میں نے لے لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے۔ اب ہم اسے بیماریوں کے لیے دھوتے ہیں اور اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۷۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی اور شامی اونی جبوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِزار (یعنی تہبند و پائجامہ وغیرہ)

اِزار اُس لباس کو کہتے ہیں جو جسم کے نچلے حصہ میں پہنا جاتا ہے۔ عموماً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہبند کا استعمال فرماتے تھے، کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ بھی استعمال کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند ناف کے اوپر سے نصف پنڈلی تک رہا کرتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عموماً تہبند استعمال کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پائجامہ بھی پہنتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی لباس کو بطور تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔ (ابوداود، نسائی)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جو حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ کے متعلق فرمایا، وہی حکم قمیص کا بھی ہے۔ (ابوداود)

لباس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض سنتیں

دائیں طرف سے کپڑا پہننا سنت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیص زیب تن فرماتے تو دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ (ترمذی ا؍۳۰۲)

اس طرح کہ پہلے دایاں ہاتھ دائیں آستین میں ڈالتے، پھر بایاں ہاتھ بائیں آستین میں ڈالتے۔

پائجامہ پہننے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہے کہ پائجامہ/شلوار بیٹھ کر پہنیں۔ بعض احادیثِ ضعیفہ میں کھڑے ہوکر پائجامہ وغیرہ پہننے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے، مثلاً: جس نے بیٹھ کر عمامہ باندھا یا کھڑے ہوکر سراویل (پائجامہ یا شلوار) پہنی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی مصیبت میں مبتلا فرمائے گا جس کی کوئی دوا نہیں۔ یہ حدیث شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''کشف الالتباس فی استحباب اللباس'' میں ذکر کی ہے۔ ہمارے علماء کرام ہمیشہ احتیاط پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ہم اپنا پائجامہ وغیرہ بیٹھ کر پہنیں، اگرچہ کھڑے ہوکر پہننا بھی جائز ہے۔

لباس میں کفار ومشرکین سے مشابہت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی طور پر (یعنی لباس اور غیر لباس میں) کفار ومشرکین سے مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے:

جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہوجائے گا۔ (ابوداود)

لباس میں مشابہت کرنے سے خاص طور پر منع فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خالص زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کا لباس ہے، اس کو نہ پہنو۔ (مسلم)

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ عیش پرستی اور مشرکوں کے لباس سے بچو۔ (مسلم)

پینٹ وشرٹ اور کرتا وپائجامہ کا موازنہ

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ لباس میں اصل جواز ہے، انسان اپنے علاقہ کی عادات واطوار کے مطابق چند شرائط کے ساتھ کوئی بھی لباس پہن سکتا ہے، ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ کفار ومشرکین کا لباس نہ ہو۔

پینٹ وشرٹ یقیناً مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے، لیکن اب یہ لباس عام ہوگیا ہے، چنانچہ مسلم اور غیر مسلم سب اس کو استعمال کرتے ہیں، لہٰذا پینٹ وشرٹ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز تو ہے، البتہ پینٹ وشرٹ کے مقابلے میں کرتا وپائجامہ کو چند اسباب کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے:

۱— کرتا وپائجامہ عموماً سفید یا سفید جیسے رنگوں پر مشتمل ہوتا ہے، جبکہ پینٹ وشرٹ عموماً

رنگین ہوتی ہیں۔ احادیث صحیحہ کی روشنی میں امت مسلمہ متفق ہے کہ اللہ جل شانہ کے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید پوشاک زیادہ پسند فرماتے تھے، نیز عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس سفید ہی ہوا کرتا تھا۔

۲— قیامت تک آنے والے انسانوں کے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص بہت پسند تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے جو اوصاف احادیث میں ملتے ہیں وہ شرٹ کے بجائے موجودہ زمانے کے کرتے (ثوب/قمیص) میں زیادہ موجود ہیں۔

۳— اگرچہ اس وقت پینٹ وشرٹ کا لباس مسلم وغیر مسلم سب میں رائج ہو چکا ہے، لیکن ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ پینٹ وشرٹ کی ابتداء مسلم کلچر کی دین نہیں، جبکہ کرتہ وپائجامہ کی بنیادیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہیں، کرتا یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص کا ذکر کر چکا ہوں، جہاں تک پائجامہ کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تہبند کا استعمال فرماتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ استعمال کیا یا نہیں؟ اس کے متعلق بعض محققین نے اختلاف کیا ہے، لیکن تمام محققین ومحدثین وفقہاء وعلماء متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ خریدا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پائجامہ پہنتے تھے۔

۴— کسی بھی زمانہ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں علماء وفقہاء کی جماعت نے پینٹ وشرٹ کو اپنا لباس نہیں بنایا۔

وضاحت

موجودہ زمانہ کے پائجامہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے پائجامہ میں فرق ممکن ہے، مگر دونوں کی بنیاد واَساس ایک ہونے کی وجہ سے ان شاء اللہ فضیلت حاصل ہوگی، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور موجودہ زمانہ کی مساجد میں ضرور فرق ملے گا، مگر بنیاد ومقاصد ایک ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی مساجد کو وہ فضیلت ضرور حاصل ہوگی جس کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہوا ہے۔

کسی معین شخص کے تنگ پائجامہ کا کسی معین شخص کی کشادہ پینٹ سے موازنہ کرکے فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ عموماً پینٹ پائجامہ کے مقابلہ میں تنگ ہوتی ہے اور جسم کی ساخت کے حساب سے بنائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سنتوں کے مطابق لباس پہننے والا بنائے۔

تبرکاتِ اکابر

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

فرمایا: پرانے لوگوں میں دین کا، بزرگوں کے ادب کا پھر بھی بڑا اثر تھا، اس وقت کے پرانے ان نئے سنورے ہوؤں سے اچھے تھے، مولوی شبلی نعمانی کا واقعہ ہے کہ کانپور میں ان کا لیکچر ہوا، مولوی محمد فاروق چریا کوٹی جوان کے استاذ تھے وہ اس وقت کانپور کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے وہ بھی اس بیان میں شریک تھے، جب بیان ختم ہو چکا تو استاذ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، استاذ نے محض سادگی سے پیر پھیلا دیئے اور کہا کہ شبلی! پیر دُکھ گئے ہیں ذرا دبا دیجئے، بس دبانے لگے اور کوئی اثر ناگواری کا ظاہر نہیں ہوا، یہ اثر تھا پرانے ہونے کا اور پہلے بزرگوں کی صحبت کا، اب یہ باتیں کہاں؟۔

فرمایا: اگر علمِ صحیح اور عملِ صحیح کی ضرورت ہو تو اس کی صورت صرف ایک ہے، وہ یہ کہ احیاء (زندوں) میں سے کسی کو اپنا متبوع بنالے، کیوں کہ بدون زندوں کے تعلق رکھے، اور اس کی صحبت کے، نرا کتابی علم بھی کافی نہیں، اکثر اہلِ علم کو بھی ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے، اور جب خود ہی حقیقت کو نہیں سمجھے تو دوسروں کی کیا رہبری کریں گے۔

پھر ایک موقع پر فرمایا کہ اب تو ویسے بھی لوگ علماء سے بدظن ہیں اس لئے اب تو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

فرمایا: میں معترضین کو اور اعتراضات کو اللہ تعالی کی نعمت سمجھتا ہوں، لاکھوں روپئے صرف کرنے پر بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو یہ لوگ مفت میں کرتے ہیں، گو ان کی نیت اچھی نہ ہو، مگر مجھ کو تو اپنے زلات (غلطیوں) سے آگاہی ہو جاتی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مخالف سے وہ کام لے رہے ہیں جو بعض اوقات اپنے نہیں کر سکتے۔

فرمایا: جب میں کسی کو بناؤ سنوار سے رہتا ہوا دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے، اس لئے فضول میں مبتلا ہے، نیز صاحبِ کمال کو ظاہر کے سنوارنے کی بھی ضرورت نہیں۔

فرمایا :افسوس! جتنی ضروری چیزیں ہیں آج کل ان سب سے دوری اور غفلت ہے، چنانچہ آج کل بڑی ضرورت کی چیز ''صحبت'' ہے اہل اللہ اور خاصانِ حق کی، یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانہ میں فرضِ عین ہے ، بڑے ہی خطرہ کا وقت ہے، جو چیز مشاہدہ سے ایمان کی حفاظت کا سبب ہو اس کے فرضِ عین ہونے میں کیا شبہ؟ ایسی چیز کا اہتمام تو ابتداء ہی سے ہونا چاہئے مگر لوگوں کو اس کی طرف سے بڑی غفلت ہے، پھر صحبتِ نیک کے نہ ہونے کے ثمرات نمونہ کے طور پر بیان فرماتے ہوئے ایک ثمرہ یہ بیان کیا کہ اس وقت یہ حالت ہوگئی ہے کہ استاذوں کے ساتھ استہزاء ہے، اس وقت منتہائے کمال یہ ہوگیا ہے کہ تقریر ہو یا تحریر، اپنے کو اپنے استاذوں اور بزرگوں کے برابر خیال کرنے لگے، اور گو یہ بات ابھی تک زبان سے تو نہیں کہی مگر آئندہ کہنے لگیں گے۔

فرمایا :یہاں پر (تھانہ بھون میں) کثرت سے لوگ آتے ہیں اور ہر شخص کی طبیعت مختلف ہوتی ہے، مثلاً پچاس آئے، اب میں پچاس کا کیسے اتباع کرسکتا ہوں، ہاں وہ پچاس میرا اتباع کرسکتے ہیں، اور میں تو اپنا اتباع بھی نہیں چاہتا، بلکہ اصولِ صحیحہ کا اتباع چاہتا ہوں، ان اصولِ صحیحہ کا تم بھی اتباع کرو، میں بھی اتباع کروں، اور نہ میں تمہارا اتباع کروں، نہ تم میرا اتباع کرو۔

فرمایا : آج کل استاذوں کا ادب واحترام بالکل ہی جاتا رہا، تو ویسی ہی علم میں خیر و برکت رہ گئی، عادۃ اللہ یہ ہے کہ اگر استاذ خوش اور راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا، اور استاذ ہی کی کیا تخصیص؟ اب تو وہ زمانہ ہے کہ نہ باپ کا ادب ہے نہ پیر کا، اور اگر ہے بھی تو بس رسمی ادب باقی ہے، باقی حقیقی ادب واحترام کا نام و نشان باقی نہیں، اور یہ بھی یاد رکھو، تعظیم کا نام ادب نہیں ہے، ادب نام ہے راحت رسانی کا۔

فرمایا : تقویٰ اور طہارت بڑی چیز ہے مگر آج کل قریب قریب ہر طبقہ میں اس کی کمی ہے ، بالخصوص علماء و مشائخ میں اس کی کمی کا ہونا نہایت ہی مذموم ہے اس لئے کہ یہ پیشوا اور مقتدیٰ کہلائے جاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہوجاتی ہے۔

مدرسہ دیوبند میں خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ) کا قیام ہوا، شب کا وقت ہوا، مہتمم صاحب نے مہمان خانہ میں خادمِ مدرسہ کو روشنی کرنے کے لئے حکم فرمایا، خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر لالٹین اور تیل آپ کا نجی ہے تب تو کوئی حرج نہیں، اور اگر مدرسہ کا ہے تو میں خود انتظام کرلوں گا۔

امیر شاہ خان صاحب خورجوی بھی اس وقت مدرسہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، سن کر میرا نام لے کر کہا کہ یہ تو اس کے ملنے والوں میں معلوم ہوتا ہے۔ (ماخوذ از ''حکیم الامت کی محفلِ ارشاد'')

تعارف

''اوراقِ زندگی'' جلداول

حافظ محمود ضیاء بن مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی

نام کتاب: اوراقِ زندگی (خودنوشت) مصنف: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مرتب: مولانا محمود حسن حسنی ندوی مرحوم ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

صفحات: ۵۰۴ قیمت ۴۰۰ : روپئے اشاعت اول: مارچ ۲۰۲۲ء

''اوراقِ زندگی'' ایک ایسی شخصیت کے زندگی کے حالات وواقعات اور تجربات ومشاہدات ہیں، جوگذشتہ پون صدی کے طویل عرصہ سے اشاعت علم ودین میں ہمہ تن مصروف ہے، اِس بافیض ہستی سے تین نسلیں مستفید ہوچکی ہیں۔ جوندوۃ العلماء لکھنؤ کے منصبِ نظامت پر فائز ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی زمام قیادت جس کے ہاتھوں میں ہے، رابطہ عالم اسلامی اور رابطہ ادب اسلامی جیسے عالمی اداروں کے ارکان اساسی میں وہ سرفہرست ہے۔ جس کی زندگی تجربات ومشاہدات سے پر، اکابر ومشائخ اور صلحاء امت کی صحبت ومعیت سے آراستہ وپیراستہ، علم ومطالعہ اور فہم وفراست سے لبریز ہے۔ جس نے ندوۃ العلماء کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر جہاں درس وتدریس کی بزم سجائی ہے، وہیں البعث الاسلامی اور الرائد کے ذریعہ اپنی قلمی نگارشات وگزارشات عالم عرب میں پہونچائی ہیں اور یورپ وامریکا، شام وفلسطین، یمن وکویت اور دیگر ممالک کے اسفار کر کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ اور خلاق عالم کی صناعی وقدرت کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ ہستی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مرشد امت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہے۔

حضرت مولانا کی حیات وخدمات اور تجربات ومشاہدات کو ان کے صحبت وتربیت یافتہ، سفر وحضر کے رفیق، خانوادۂ حسنی کے چشم وچراغ، معروف صاحب قلم عالم دین مولانا محمود حسن حسنی ندوی مرحوم نے ترتیب وتہذیب سے آراستہ کر کے یہ علمی وادبی تحفہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

کتاب کی ترتیب ابواب وفصول کے اعتبار سے نہیں بلکہ سن کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ جو حالات وواقعات کتاب میں موجود ہیں انہیں سن وار لکھا گیا ہے۔ اس میں حضرت مولانا مدظلہ کی پیدائش سے لے کر

۱۹۹۳ء تک کے حالات موجود ہیں۔جس میں خاندانی پس منظر، تعلیمی سر گزشت، اکابرین ومشائخ سے تعلقات و روابط اوران کی شفقتیں وعنایتیں، ملکی وعالمی سطح پر پیش آنے والی قابل ذکرصورت حال، مختلف اصحاب علم وفن، اہل تعلق، قائدین ورہنماؤں کی وفیات، ملک وبیرون ملک میں منعقد ہونے والے اجلاس، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی روداد، اپنے مربی ومرشد حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ساتھ کئے گئے ملکی وبیرونی اسفار کی علمی وادبی، مفید و دلنشین روداد اس میں موجود ہے۔ان رنگا رنگیوں اور بوقلمونیوں کی بناء پر آپ اسے جگ بیتی کا نام بھی دے سکتے ہیں ، کہ اس میں نصف صدی میں پیش آنے والے واقعات وحالات محفوظ ہو گئے ہیں۔

مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ کو اللہ غریق رحمت کرے اور بلند درجات عطافرمائے کہ جاتے جاتے انہوں نے یہ اہم فریضہ انجام دیا گویا ’’خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا‘‘ کے مصداق ہوئے-

اس کتاب نے میری معلومات میں بیش بہا اضافہ کیا، مجھے اس سے ہندوستان اور پوری دنیا میں پیش آنے والے بہت سے اہم واقعات وسانحات کا علم ہوا، بہت سے اصحاب علم وفضل اور قائدین کی وفیات معلوم ہوئیں اور ان کی صلاحیتوں اور خصوصیات کا اندازہ ہوا، مغربی دنیا کی عیاریوں، مکاریوں، مکروفریب اور عالم اسلام کے خلاف کی جانے والی اس کی سازشوں کا علم ہوااوراس کتاب کے مطالعہ کے بعدان کی جلالتِ علمی کا نقش میرے دل میں اور گہرا ہو گیا، بہت سی کانفرنسوں اوراجلاسوں کے نام اکابرین سے بار بار سننے میں آئے تھے جن کی نوعیت اورروداد اس کتاب میں ملی۔غرض یہ کتاب میرے لئے اہم اور محسن کتابوں میں سے ایک ہے،جس میں ایک صاحب دل بزرگ اور بابصیرت قائد کی زندگی کے تجربات ومشاہدات پنہاں ہیں۔اسے ہر شخص، ہر فرد بالخصوص ہر معلم ومتعلم کو پڑھنا چاہئے۔

اس کتاب کے مرتب مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر اب بھی ندوۃ العلماء اور خانوادہ حسنی میں ایسے بہت سے صاحب قلم علمائے دین ہیں، جو اس تشنہ کام کو مکمل کر سکتے ہیں، اور ’’اوراق زندگی جلد دوم‘‘ کو اسی طرز وانداز میں پیش کر سکتے ہیں۔

۱۹۴۶ء کے آخر میں مولانا سید محمد رابع حسنی نے مظاہر علوم میں رہ کر یہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا، خاص طور سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ سے اجازتِ حدیث حاصل ہوئی، اس کے علاوہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور مولانا شاہ اسعد اللہؒ ناظم مدرسہ سے علمی استفادہ کیا، حضرت شیخ نے اس زمانہ میں ان کے طعام کا نظم باقاعدہ خانقاہ خلیلیہ کے گھر میں اپنے ساتھ کر رکھا تھا۔اضافہ از عبداللہ خالد قاسمی خیر آبادی

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

بیعانہ کی رقم ضبط کرلینا یا زائد رقم واپس لینا:

معمول یہ ہے کہ زمین کی خریداری کا معاملہ کرتے وقت کچھ رقم پیشگی اداء کی جاتی ہے اور بقیہ قیمت کی ادائیگی کے لئے ایک وقت طے کرلیا جاتا ہے، جو رقم پیشگی دی جاتی ہے اس کو ''بیعانہ'' کہتے ہیں۔

پھر کسی وجہ سے اگر خریدار کو معاملہ فسخ کرنا پڑے تو فروخت کنندہ بیعانہ کو ضبط کرلیتا ہے اور اگر فروخت کنندہ کی جانب سے معاملہ فسخ ہو تو خریدار اس سے بیعانہ سے دوگنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ معاملہ فسخ ہونے کی صورت میں فروخت کنندہ پر بیعانہ کی رقم کی واپسی ضروری ہے، اور صرف اسی قدر رقم کی واپسی ضروری ہے جو خریدار نے پیشگی دی تھی، نہ بائع کے لئے بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز ہے اور نہ خریدار کے لئے دوگنی رقم کا مطالبہ کرنا۔

حدیث میں اس کی واضح ممانعت وارد ہوئی ہے: **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع العربان، قال فی النھایہ: ھو ان یشتری السلعة ویدفعھا الی صاحبھا شیئا علی انہ ان امضی البیع حسب وان لم یمض البیع کان لصاحب السلعة ولم یرتجعہ المشتری وھو بیع باطل عندالفقھاء لما فیہ من الشرط والغرر** (مرقاۃ المفاتیح ۶/۷۶)

غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں شرکت اور خرید و فروخت کا حکم:

غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں شرکت ازروئے شرع ناجائز ہے، ان میں سیر و تفریح کے لئے جانا، ان میں دوکان لگانا اور وہاں کچھ خریدنا بیچنا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ غضب الٰہی میں شامل ہونا ہے: **من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریکا فی عملہ** (کنزالعمال، کتاب الصحبۃ من قسم الاقوال ۹۰/۲۲) (امداد الفتاوی ۴/۲۶۹)

ٹیلی فون اور ویڈیو کال پر نکاح کا حکم:

نکاح کے لئے عاقدین (لڑکا ولڑکی یا ان کے وکیل) کا ایک مجلس میں موجود ہو کر عقد نکاح کو انجام دینا شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، ٹیلی فون اور ویڈیو کال کے ذریعہ ایجاب وقبول کی صورت میں دونوں عاقدین ایک مجلس میں موجود نہیں ہوتے، اس لئے ٹیلی فون اور ویڈیو کال پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

ویسے انعقاد نکاح کے لئے ٹیلی فون اور ویڈیو کال کے ذریعہ ایجاب وقبول کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ جس طرح عموماً مجلس نکاح میں لڑکی خود موجود نہیں ہوتی، اس کا وکیل اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرتا ہے، اسی طرح ٹیلی فون کے ذریعہ غیر موجود عاقد مجلس میں موجود کسی شخص کو وکیل مقرر کردے اور وہ وکیل مجلس میں دو گواہوں کی موجودگی میں اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے، نکاح منعقد ہوجائے گا، **وعن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس، قال فی البحر :فلوا ختلف المجلس لم ینعقد** (ردالمحتار مع ردالمحتار ۸ /۴۹)

اسقاط حمل سے عدت کی تکمیل کا حکم:

جس عورت پر اس حال میں عدت واجب ہو کہ وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بچہ کی پیدائش پر مکمل ہوگی، خواہ طلاق کی عدت ہو یا وفات کی عدت ہو، اور بچہ کی پیدائش کا معیار یہ ہے کہ اس کے تمام یا بعض اعضاء کی تخلیق ہوجانے کے بعد اس کی پیدائش ہو، جس کی کمترین مدت چار ماہ ہے، لہٰذا اسقاط حمل اگر چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد ہو تو اس سے عدت پوری جائے گی، کیونکہ اس وقت اعضاء کی تخلیق ہوچکی ہوگی، لیکن اگر چار ماہ سے قبل اسقاط حمل ہو تو پھر اعضاء کی تخلیق نہ ہونے کے سبب اس سے عدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ آئندہ تین کامل حیض آجانے کے بعد عدت پوری ہوگی: **وسقط ای مسقوط ظهر بعض خلقه کید أورجل اواصبع اوظفر اوشعر ولایستبین خلقه الا بعد مائتة وعشرین یوما ولد حکما، فتصیر المرأة به نفساء وتنقضی به العدة، فان لم یظهر له شئ فلیس بشئ والمرئی حیض ان دام ثلاثة ایام وتقدمه طهر تام والا استحاضه۔** (الدرالمختار مع ردالمحتار نعمانیہ ۱ /۲۰۰)

آدھی آستین والی شرٹ میں نماز پڑھنا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران کفِّ ثوب سے منع فرمایا ہے، کفِّ ثوب یہ ہے کہ مثلا

آستین چڑھا کر نماز پڑھی جائے، اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور سرے سے آستین نہ ہونا بھی اسی کف ثوب کے مشابہ ہے، لہٰذا ایسی شرٹ میں بھی جس میں بالکل آستین نہ ہو یا آدھی ہو نماز مکروہ ہے :وتشمیر کمیه عنهما للنهی عنه لما فیه من الجفاء المنافی للخشوع۔ (مراقی الفلاح ص ۱۲۰)

مسواک کی جگہ برش کے استعمال کا حکم:

مسواک کا شمار سنن دین میں ہے، احادیث میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے اور اس کے عظیم الشان فضائل وفوائد بھی بیان کئے گئے ہیں، حضرات فقہاء نے بھی اس سے متعلقہ احکام کو بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے متعلقہ ایک بنیادی امر یہ ہے کہ مسواک لکڑی کی ہو، احادیث میں مذکور اس سے متعلقہ تعلیمات، فقہاء کرام کی ذکر کردہ تفصیلات، اور سلف صالحین سے چلے آرہے تعامل سے یہی ثابت ہے، اس لئے پلاسٹک کے جو برش مروج ہیں ان کے معمول سے گو دانتوں کی صفائی کا مطلوبہ حکم پورا ہوجائے، مگر نہ مسواک کی سنت اداء ہوگی اور نہ وہ عظیم الشان فضائل وفوائد حاصل ہوں گے، جو مسواک کے بیان کئے گئے ہیں۔

رسالت کا نگیں

حکم شاہِ انبیاء ،فرمانِ حقانی بھی ہے		آپ کی تعلیم ہی تفسیر قرآنی بھی ہے
جامع الاوصاف ہے ذاتِ رسولِ ہاشمی		ہے رسالت کا نگیں تکمیلِ انسانی بھی ہے
عزت و عظمت کا حامل بن گیا غارِ حراء		آپ ہیں، جبریل ہیں، آغازِ قرآنی بھی ہے
بوریہ ہے تخت و بستر ،دبدبہ ہے چار سو		خاک پر بیٹھے ہوئے عالم کی سلطانی بھی ہے
ایسی عظمت والے ہیں آقائے مدنی کے غلام		سرنگوں ہے قیصری، لرزیدہ خاقانی بھی ہے

نعت گوئی یوں تو خالدؔ ،ہے بہت مشکل مگر
کچھ وفورِ عشق ہے ،کچھ فضل ربانی بھی ہے

از: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اخبار مظاہر

مرتب عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ششماہی امتحان

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ششماہی امتحان تحریری وتقریری ۲۳؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ/ ۲۰؍اکتوبر ۲۰۲۲ء پنجشنبہ سے شروع ہوکر ۲۸؍ربیع الاول ۱۴۴۴ھ/ ۲۵؍اکتوبر ۲۰۲۲ء سہ شنبہ تک ہوگا، ان شاء اللہ۔ امتحان سے دو روز قبل اسباق بند ہوجائیں گے، اور امتحان کے بعد دو روز اسباق بند رہیں گے، یکم ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ/ ۲۹؍اکتوبر ۲۰۲۲ء ہفتہ سے تمام اسباق حسبِ سابق شروع ہوجائیں گے۔

ماہنامہ مظاہر علوم کا وفیات نمبر

گذشتہ سال کرونا وائرس اور پھر ماہنامہ کے مدیر مسئول حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مدرسہ کی سانحۂ ارتحال کی وجہ سے ماہنامہ مظاہر علوم کی کچھ اشاعتیں موقوف ہوگئی تھیں، جس کی تلافی کے لئے ماہنامہ کی مجلس ادارت نے ماہنامہ کے نگراں اور مظاہر علوم کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی سے مشورہ کے بعد اس کی ایک ضخیم اشاعت ''وفیات نمبر'' کے نام سے شائع کرنے کا ارداہ کیا ہے، جس میں کرونا وائرس کی وباء کے دوران اور اس کے بعد وفات پانے والے مقتدر حضرات اہل علم کے سوانحی حالات اور ان کے علمی کمالات وامتیازات کو یکجا کیا جارہا ہے، ان شاء اللہ یہ خصوصی اشاعت ماہِ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ میں طبع ہوکر منظر عام پر آجائے گی۔

دعائے صحت کی درخواست

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام (سکریٹری) حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی گذشتہ ماہ سخت ترین بیمار ہوگئے تھے اور دہلی کے گنگا رام ہسپتال میں داخل کئے گئے، علاج کے مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد اب الحمدللہ وہ روبصحت ہیں اور اس وقت سہارنپور تشریف لاچکے ہیں، ان کی صحت و سلامتی اور عافیت کے ساتھ درازئ عمر کے لئے تمام قارئین سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

مجلسِ وعظ

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بزرگانِ دین اور اہل اللہ کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور ذمہ داران مدرسہ کی کوشش اور خواہش یہ رہتی ہے کہ ان کے فیوض و برکات اور مواعظِ حسنہ سے خدام مدرسہ اور عزیز طلبہ مستفیض ہوں، اس لئے ان کی آمد پر مجلس وعظ و نصیحت منعقد ہوا کرتی ہے۔

۲۹ رصفر ۱۴۴۴ھ/ ۲۷ رستمبر ۲۰۲۲ء کو سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور روحانی بزرگ، حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوری کے مسترشد خاص حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ کی آمد مظاہر علوم میں ہوئی، اور بعد نماز عشاء مدرسہ کی مسجد میں اساتذہ وطلبہ کے درمیان ان کا وعظ ہوا، حضرت نے خاص طور سے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

سلسلۂ علم سے بڑھ کر کوئی سلسلہ نہیں، بلکہ سلسلۃ الذہب سے بھی بڑھ کر۔

اللہ تعالی نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی کہ ''قل ربِ زدنی علماً'' اے رسول آپ زیادتیٔ علم کی دعا کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں جس چیز کی زیادتی کی طلب محمود ہے وہ ہے علمِ نافع۔

ایک عارف سے کہا گیا کہ اگر آپ کو آپ کے زندگی کے ایام معلوم ہوجائیں کہ کتنے ہیں؟ تو آپ کیا کریں گے، فرمایا کہ طلب علم میں لگ جاؤں گا۔

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ پوری عمر اپنے کو طالب علم ہی کہتے رہے۔

ووجدک عائلاً فأغنی سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ طالب علم کو اللہ تعالی معاش اور دنیا سے مستغنی کردیتا ہے۔

فرمایا کہ علم اور سربلندی تواضع سے حاصل ہوتی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اندر کس قدر تواضع اور فروتنی تھی کہ اپنے پیر بھائی مولانا شیخ محمد صاحب سے مسائل معلوم کیا کرتے تھے، پھر جب عالم ربانی حضرت گنگوہیؒ ان سے بیعت ہوگئے تو فرمایا کہ اب میں مسائل آپ سے معلوم کرلیا کروں گا۔

بپرس ہر چہ ندانی کہ ذل پرسیدن		دلیل راہ تو باشد بہ عز دانایی

فرمایا علم بغیر حلم کے حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت حسن بصریؒ کے حوالہ سے فرمایا کہ دنیا میں سب سے بہتر چیز ''ورع'' اور سب سے بدتر چیز ''طمع'' ہے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR







Rs. 30/

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com